فہرست

منظورالحسن

تقلید اور اجتہاد

موجودہ زمانے میں مسلمان علما کی غالب اکثریت تقلید جامد کو بطور اصول اختیار کیے ہوئے ہے۔ان کا اصرار ہے کہ احکام دینیہ کی تعبیر وتشریح کے حوالے سے قدیم علما کا کام ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ ان کے کام کی تفہیم اور شرح و وضاحت تو ہوسکتی ہے، مگر اس پر نظر ثانی کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ دور اول کے فقہا نے جو اصول وقوانین مرتب کیے ہیں، وہ تغیرات زمانہ کے باوجود قابل عمل ہیں۔ اس ضمن میں تحقیق واجتہاد کی نہ ضرورت ہے اور نہ اس بات کا اب کوئی امکان ہے کہ کوئی شخص مجتہد کے منصب جلیلہ پر فائز ہو سکے۔ اس نقطۂ نظر اور اس پر اصرار کے باوصف حقیقت یہ ہے کہ یہ اہل علم فکر اسلامی کے بارے میں پیدا ہونے والے متعدد شکوک وشبہات رفع کرنے اور نفاذ شریعت کے حوالے سے بعض سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں ایک طرف ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو ان علما کے زیر اثر تقلید جامد کے اسیر ہیں اور دوسری طرف وہ نسل پروان چڑھ رہی ہے جو ردعمل کے طور پر اسلام کو ایک قصۂ پارینہ قرار دے کر جدید فلاسفہ سے کسب فیض کرنے کے لیے بے تاب ہے۔

ہمارے اہل دانش علما کے اس رویے کو غلط قرار دیتے ہیں۔ اس پر تنقید کرتے ہوئے ان کی تقریر بالعموم یہ ہوتی ہے کہ علماے امت صدیوں سے تقلید کے طریقے پر گام زن ہیں۔ وہ ماضی بعید کے اہل علم کی تحقیقات اور آرا ہی کو حرف آخر سمجھتے اور قرآن وسنت پر از سر نو غور کرنے کے خلاف ہیں۔ مگر موجودہ زمانے میں تمدن کے ارتقا نے جو مسائل پیدا کر دیے ہیں، وہ ان سے صرف نظر کرتے ہوئے قدیم علما ہی کی دینی توضیحات کو اختیار کرنے پر مصر ہیں۔ چنانچہ اس امر کی ضرورت ہے کہ اجتہاد کے بند دروازے کو کھولا جائے اور اہل علم دور جدید کے تقاضوں کے پیش نظر قرآن وسنت کے احکام کی تعبیر وتشریح کریں۔

اس تصور کے تناظر میں یہ سوالات عام طور پر ذہن میں پیدا ہوتے ہیں کہ کیا قرآن وسنت کے احکام میں مرور زمانہ کے ساتھ ترمیم وتغیر ہوسکتا ہے، کیا ان معاملات میں بھی اجتہاد ہوسکتا ہے جن میں قرآن وسنت نے نہایت واضح احکام دیے ہیں، کیا قرآن وسنت کی شرح و وضاحت کے بارے میں ہم علما کی تحقیقات کو اجتہاد ہی سے تعبیر کریں گے؟ ان سوالات کے حوالے سے یہ مناسب ہے کہ یہاں مختصر طور پر اجتہاد کا مفہوم اور اس کا دائرۂ کار بیان کر دیا جائے۔

اجتہاد کا لغوی مفہوم کسی کام کو پوری سعی و جہد کے ساتھ انجام دینا ہے۔ اس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ جس معاملے میں قرآن وسنت خاموش ہیں، اس میں نہایت غور وخوض کر کے دین کے منشا کو پانے کی جد و جہد کی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے منسوب روایات کی روشنی میں اجتہاد کا دائرۂ کار حسب ذیل نکات کی صورت میں متعین کیا جاسکتا ہے:

۱۔ اجتہاد کا تعلق انھی معاملات سے ہے جو کسی نہ کسی پہلو سے دین وشریعت سے متعلق ہیں۔

۲۔ انسانوں کو انفرادی یا اجتماعی حوالے سے جب بھی قانون سازی کی ضرورت پیش آئے تو انھیں چاہیے کہ وہ سب سے پہلے قرآن وسنت سے رجوع کریں۔

۳۔ جن معاملات میں قرآن وسنت کی رہنمائی موجود ہے، ان میں قرآن وسنت کی پیروی لازم ہے۔

۴۔ جن معاملات میں قرآن وسنت خاموش ہیں، ان میں انسانوں کو چاہیے کہ اپنی عقل وبصیرت کو استعمال کرتے ہوئے آرا قائم کریں۔

ان نکات کی بنا پر یہ بات بطور اصول بیان کی جاسکتی ہے کہ شریعت محل اجتہاد نہیں ہے، بلکہ محل اتباع ہے۔ محل اجتہاد صرف وہی امور ہیں جن کے بارے میں شریعت خاموش ہے۔ چنانچہ اجتہادی قانون سازی کرتے ہوئے، مثال کے طور پر عبادات کے باب میں، یہ قانون نہیں بنایا جاسکتا کہ تمدن کی تبدیلی کی وجہ سے اب نماز فجر طلوع آفتاب کے بعد پڑھی جائے گی؛ معیشت کے دائرے میں یہ طے نہیں کیا جاسکتا کہ اب زکوٰۃ ڈھائی فی صد سے زیادہ ہوگی؛ سزاؤں کے ضمن میں یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ مثلاً قتل کے بدلے میں قتل کے بجائے عمر قید کی سزا دی جائے گی۔ گویا شریعت کے دائرے میں علما اور محققین کا کام صرف اور صرف یہی ہے کہ احکام کے مفہوم ومدعا کو اپنے علم واستدلال کے ذریعے سے متعین کرنے کی کوشش کریں۔ اس میں ان کے لیے کسی تغیر وتبدل کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ البتہ، جس دائرے میں شریعت خاموش ہے، اس میں وہ دین و مذہب، تہذیب وتمدن اور عرف و رواج کو

پیش نظر رکھتے ہوئے ہر طرح کی قانون سازی کر سکتے ہیں۔

اس باب میں جس طرز عمل کی اصلاح کی ضرورت ہے، وہ مخصوص علماے سابق کی تحقیقات یا اجتہادات پر عمل درآمد کے لیے اصرار ہے۔ اس طرح کی کوئی پابندی اسلام نے عائد نہیں کی۔ اس نے ہر زمانے کے ہر شخص کو اس بات کا حق دیا ہے کہ وہ تحقیق و اجتہاد کی صلاحیت بہم پہنچانے کے بعد دینی احکام کے حوالے سے اپنی آرا پیش کرے اور ان کے لیے راے عامہ کو ہموار کرے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المائدہ

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ

تم پر[۱۰] مردار[۱۱] اور خون[۱۲] اور سؤر کا گوشت[۱۳] اور خدا کے سوا کسی اور کے نام کا ذبیحہ حرام ٹھیرایا گیا ہے اور (اِسی

[۱۰] یہاں سے آگے اب اُنھی حرمتوں کی تفصیل ہے جن کا حوالہ اوپر 'اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ' کے الفاظ میں دیا گیا ہے۔

[۱۱] اصل میں لفظ 'میتۃ' آیا ہے۔ یہ اِن احکام میں عرف و عادت کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ عربی زبان میں اِس کا ایک لغوی مفہوم بھی ہے، لیکن یہ جب اِس رعایت سے بولا جائے تو اردو کے لفظ مردار کی طرح اِس کے معنی ہر مردہ چیز کے نہیں ہوتے۔ اِس صورت میں ایک نوعیت کی تخصیص اِس لفظ کے مفہوم میں پیدا ہو جاتی ہے اور زبان کے اسالیب سے واقف کوئی شخص، مثال کے طور پر، مردہ ٹڈی اور مردہ مچھلی کو اِس میں شامل نہیں سمجھتا۔

[۱۲] سورۂ انعام (۶) کی آیت ۱۴۶ میں اِس کے لیے 'دمًا مسفوحًا' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن کا مفہوم وہی ہے جو عام بول چال میں اِن الفاظ سے سمجھا جاتا ہے۔ تلی اور جگر کے متعلق یہ بات اگرچہ کہی جا سکتی ہے کہ یہ بھی درحقیقت خون ہیں، لیکن عرف استعمال کا تقاضا ہے کہ اِن پر اِس کا اطلاق نہ کیا جائے۔ اِسی طرح 'مَسْفُوْحًا' کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ رگوں اور شریانوں میں رکا ہوا خون بھی حرمت کے اِس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

[۱۳] یہ انعام کی قسم کے بہائم میں سے ہے، لیکن درندوں کی طرح گوشت بھی کھاتا ہے۔ اِس لیے یہ سوال پیدا

وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ، اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ، وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ، ذٰلِكُمْ فِسْقٌ. اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ

کے تحت) وہ جانور بھی جو گلا گھٹنے سے مرا ہو، جو چوٹ سے مرا ہو، جو اوپر سے گر کر مرا ہو، جو سینگ لگ کر مرا ہو، جسے کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو[14]، سوائے اُس کے جسے تم نے (زندہ پا کر) ذبح کر لیا[15]۔ (اِسی طرح) وہ (جانور بھی حرام ہیں) جو کسی آستانے پر ذبح کیے گئے ہوں اور یہ بھی کہ تم (اُن کا گوشت) جوے کے تیروں سے تقسیم کرو[16]۔ (تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) یہ سب خدا کی نافرمانی کے کام ہیں۔ یہ

ہوا کہ اِسے کھانے کا جانور سمجھا جائے یا نہ کھانے کا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے سے وضاحت فرمائی ہے کہ اِس کا الحاق درندوں سے ہوگا اور اِسے حرام سمجھا جائے گا۔

[۱۴] اِس سے پہلے 'میتة' کی حرمت کا جو حکم بیان ہوا ہے، اُس کے بارے میں یہ شبہ بعض ذہنوں میں پیدا ہو سکتا تھا کہ طبعی موت سے مرے ہوئے اور ناگہانی حوادث سے مرے ہوئے جانور میں کیا کچھ فرق کیا جائے گا یا دونوں یکساں مردار قرار پائیں گے؟ قرآن نے جواب دیا ہے کہ دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔

[۱۵] اصل میں 'اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ' کے الفاظ آئے ہیں۔ 'میتة' کی تفصیل کے بعد اِن الفاظ سے واضح ہے کہ یہ صرف تذکیہ ہی ہے جس سے کسی جانور کی موت اگر واقع ہو تو وہ مردار نہیں ہوتا۔ تذکیہ انبیا علیہم السلام کی قائم کردہ سنت ہے اور بطور اصطلاح جس مفہوم کے لیے بولا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ کسی تیز چیز سے جانور کو زخمی کر کے اُس کا خون اِس طرح بہا دیا جائے کہ اُس کی موت خون بہ جانے کے باعث ہی واقع ہو۔ جانور کو مارنے کی یہی صورت ہے جس میں اُس کا گوشت خون کی نجاست سے پوری طرح پاک ہو جاتا ہے۔ اِس کا اصل طریقہ ذبح یا نحر ہے۔ ذبح گائے، بکری اور اِن کے مانند جانوروں کے لیے خاص ہے اور نحر اونٹ اور اِس کے مانند جانوروں کے لیے۔ ذبح سے مراد یہ ہے کہ کسی تیز چیز سے حلقوم اور مری (غذا کی نالی) یا حلقوم اور ودجین (گردن کی رگوں) کو کاٹ دیا جائے اور نحر یہ ہے کہ جانور کے حلقوم میں نیزے جیسی کوئی تیز چیز اِس طرح چبھوئی جائے کہ اُس سے خون کا فوارہ چھوٹے اور خون بہ کر جانور بالآخر بے دم ہو کر گر جائے۔

[۱۶] اوپر خدا کے سوا کسی اور کے نام کا ذبیحہ حرام ٹھیرایا گیا ہے۔ سورۂ انعام (۶) کی آیت ۱۴۶ میں قرآن نے واضح فرمایا ہے کہ اُس کی حرمت کا باعث خود جانور کا 'رجس'، یعنی ظاہری نجاست نہیں، بلکہ ذبح کرنے والے کا 'فسق' ہے۔ خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کرنا چونکہ ایک مشرکانہ فعل ہے، اِس لیے اُسے 'فسق' سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ ظاہر

كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ، فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ. اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

منکر اب تمھارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں[17]، اِس لیے (اِن حرمتوں کے معاملے میں) اِن سے نہ ڈرو، مجھی سے ڈرو۔ تمھارے دین کو آج[18] میں نے تمھارے لیے پورا کر دیا ہے[19] اور تم پر اپنی نعمت

ہے کہ علم و عقیدہ کی نجاست ہے۔ اِس طرح کی نجاست جس چیز کو بھی لاحق ہو جائے، عقل کا تقاضا ہے کہ اُس کا حکم یہی سمجھا جائے۔ قرآن نے یہ دونوں چیزیں اسی اصول کے تحت ممنوع قرار دی ہیں۔ اِن کے لیے اصل میں 'مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ' اور 'اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ' کے الفاظ آئے ہیں۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی اِن کی تفسیر لکھتے ہیں:

''وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ'، 'نُصُب' تھان اور استھان کو کہتے ہیں۔ عرب میں ایسے تھان اور استھان بے شمار تھے جہاں دیویوں، دیوتاؤں، بھوتوں، جنوں کی خوشنودی کے لیے قربانیاں کی جاتی تھیں۔ قرآن نے اِس قسم کے ذبیحے بھی حرام قرار دیے۔ قرآن کے الفاظ سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ اِن کے اندر حرمت مجرد بارادۂ تقرب و خوشنودی استھانوں پر ذبح کیے جانے ہی سے پیدا ہو جاتی ہے، اِس سے بحث نہیں کہ اِن پر نام اللہ کا لیا گیا ہے یا کسی غیر اللہ کا۔ اگر غیر اللہ کا نام لینے کے سبب سے اِن کو حرمت لاحق ہوتی تو اِن کے علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اوپر 'وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ' کا ذکر گزر چکا ہے، وہ کافی تھا۔ ہمارے نزدیک اِسی حکم میں وہ قربانیاں بھی داخل ہیں جو مزاروں اور قبروں پر پیش کی جاتی ہیں۔ اُن میں بھی صاحب مزار اور صاحب قبر کی خوشنودی مدنظر ہوتی ہے۔ ذبح کے وقت نام چاہے اللہ کا لیا جائے یا صاحب قبر و مزار کا، اُن کی حرمت میں دخل نام کو نہیں، بلکہ مقام کو حاصل ہے۔

'وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ'، 'اِسْتِقْسَام' کے معنی ہیں حصہ یا قسمت یا تقدیر معلوم کرنا۔ 'ازلام' جوے یا فال کے تیروں کو کہتے ہیں۔ عرب میں فال کے تیروں کا بھی رواج تھا جن کے ذریعے سے وہ اپنے زعم کے مطابق غیب کے فیصلے معلوم کرتے تھے اور جوے کے تیروں کا بھی رواج تھا جن کے ذریعے سے وہ گوشت یا کسی چیز کے حصے حاصل کرتے تھے۔ ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں 'خمر و میسر' کے تحت بیان کر آئے ہیں کہ عرب شراب نوشی کی مجلسیں منعقد کرتے، شراب کے نشے میں جس کا اونٹ چاہتے ذبح کر دیتے، مالک کو منہ مانگے دام دے کر راضی کر لیتے، پھر اُس کے گوشت پر جوا کھیلتے۔ گوشت کی جو ڈھیریاں جیتتے جاتے، اُن کو بھونتے، کھاتے، کھلاتے اور شرابیں پیتے اور بسا اوقات اِسی شغل بدمستی میں ایسے ایسے جھگڑے کھڑے کر لیتے کہ قبیلے کے قبیلے برسوں کے لیے آپس میں گتھم گتھا ہو جاتے اور سینکڑوں جانیں اِس کی نذر ہو جاتیں ـــــ مجھے خیال ہوتا ہے کہ یہاں 'اِسْتِقْسَام بِالْاَزْلَامِ' سے یہی دوسری صورت مراد ہے۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۴۵۶)

[۱۷] یعنی اِس بات سے مایوس ہو گئے ہیں کہ وہ اِس دین کو کوئی نقصان پہنچا سکیں گے۔

وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا، فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ، فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳﴾

تمام کر دی ہے اور تمھارے لیے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند فرمایا ہے[۲۰]۔ (سو میرے اِن احکام کی پابندی کرو)، پھر جو بھوک سے مجبور ہو کر اِن میں سے کوئی چیز کھا لے، بغیر اِس کے کہ وہ گناہ کا میلان رکھتا ہو تو اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے[۲۱]۔ ۳

[۱۸] اِس 'آج' سے مراد کوئی معین دن نہیں ہے، بلکہ وہ زمانہ ہے جس میں یہ سورہ نازل ہوئی ہے۔

[۱۹] یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پہلی وحی سے جو دین تمھیں دینا شروع کیا تھا، اُسے آج پورا کر دیا ہے۔

[۲۰] یعنی یہودیت اور نصرانیت کو نہیں، بلکہ اسلام کو پسند فرمایا ہے۔ اِس لیے کہ وہ اللہ کا دین نہیں، بلکہ دین سے انحراف کی مختلف صورتیں ہیں۔

[۲۱] مطلب یہ ہے کہ اِن محرمات سے استثنا صرف حالت اضطرار کا ہے اور وہ بھی اِس طرح کہ آدمی نہ خواہش مند ہو اور نہ ضرورت کی حد سے آگے بڑھنے والا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...'مَخْمَصَة' کی قید سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ جہاں دوسرے غذائی بدل موجود ہوں وہاں مجرد اِس عذر پر کہ شرعی ذبیحہ کا گوشت میسر نہیں آتا، جیسا کہ یورپ اور امریکہ کے اکثر ملکوں کا حال ہے، ناجائز کو جائز بنا لینے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ گوشت زندگی کے بقا کے لیے ناگزیر نہیں ہے۔ دوسری غذاؤں سے نہ صرف زندگی، بلکہ صحت بھی نہایت اعلیٰ معیار پر قائم رکھی جا سکتی ہے۔ 'غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ' کی قید اِس حقیقت کو ظاہر کر رہی ہے کہ رخصت بہر حال رخصت ہے اور حرام بہر شکل حرام ہے۔ نہ کوئی حرام چیز شیر مادر بن سکتی، نہ رخصت کوئی ابدی پروانہ ہے۔ اِس وجہ سے یہ بات کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ رفع اضطرار کی حد سے آگے بڑھے۔ اگر اِن پابندیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی شخص کسی حرام سے اپنی زندگی بچا لے گا تو اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اگر اِس اجازت سے فائدہ اٹھا کر اپنے حظ نفس کی راہیں کھولے گا تو اِس کی ذمہ داری خود اُس پر ہے۔ یہ اجازت اُس کے لیے قیامت کے دن عذر خواہ نہیں بنے گی۔'' (تدبر قرآن ۲/۴۵۸)

[باقی]

محمد رفیع مفتی

قسم کے بارے میں اسوۂ نبی

رُوِيَ[1] عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ لَمَّا قَدِمَ أَبُوْ مُوْسٰى أَكْرَمَ هٰذَا الْحَيَّ مِنْ جَرْمٍ[2]، كَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ وُدٌّ[3] وَإِخَاءٌ[4]، وَقَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِيْ مُوْسٰى فَأُتِيَ بِطَعَامٍ فِيْهِ لَحْمُ دَجَاجٍ[5]، وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ تَيْمِ اللّٰهِ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مِنَ الْمَوَالِيْ فَلَمْ يَدْنُ مِنْ طَعَامِهِ[6]، فَدَعَاهُ لِلطَّعَامِ فَتَلَكَّأَ، فَقَالَ هَلُمَّ، فَإِنِّيْ قَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ مِنْهُ[7]، فَقَالَ إِنِّيْ رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ نَتْنًا[8]، فَقَذِرْتُهُ، فَحَلَفْتُ أَنْ لَّا أَطْعَمَهُ أَبَدًا[9]، فَقَالَ هَلُمَّ، أُخْبِرْكَ عَنْ يَمِيْنِكَ[10]، كُنَّا مُشَاةً فَإِنِّيْ[11] أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نَفَرٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ، فَوَافَقْتُهُ وَهُوَ غَضْبَانُ، وَهُوَ يَقْسِمُ نَعَمًا مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ، فَاسْتَحْمَلْنَاهُ[12] فَأَبٰى أَنْ يَّحْمِلَنَا فَاسْتَحْمَلْنَاهُ[13]، فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ مَا[14] أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِيْ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ[15]، قَالَ فَانْطَلَقْنَا[16]، ثُمَّ لَبِثْنَا مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ نَّلْبَثَ، ثُمَّ[17] أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَهْبِ إِبِلٍ، فَقَالَ أَيْنَ الْأَشْعَرِيُّوْنَ؟ أَيْنَ الْأَشْعَرِيُّوْنَ[18]؟ فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسٍ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰى، فَلَمَّا انْطَلَقْنَا، قُلْنَا مَا صَنَعْنَا،

حَلَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْمِلُنَا وَمَا عِنْدَهُ مَا يَحْمِلُنَا ثُمَّ حَمَلَنَا تَغَفَّلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِيْنَهُ وَاللّٰهِ لَا نُفْلِحُ أَبَدًا، فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ[19]، قَالَ مَا رَدُّكُمْ[20]؟ فَقُلْنَا إِنَّا سَأَلْنَاكَ أَنْ تَحْمِلَنَا فَحَلَفْتَ أَنْ لَّا تَحْمِلَنَا وَقَدْ حَمَلْتَنَا[21] فَخَشِيْنَا أَنْ لَّا يُبَارَكَ لَنَا وَخَشِيْنَا أَنْ نَّكُوْنَ نَسِيْنَاكَ يَمِيْنَكَ[22]، قَالَ إِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا نَسِيْتُهَا[23]، فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْطَلِقُوْا[24] مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ بَلِ اللّٰهُ حَمَلَكُمْ[25]، وَإِنِّيْ وَاللّٰهِ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُهَا.

حضرت زہدم جرمی سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوموسیٰ (اشعری کوفہ) آئے[1] تو انھوں نے ہمارے اس قبیلۂ جرم کا بڑا اکرام کیا، (کیونکہ) ہمارے اور اشعریوں کے مابین محبت اور بھائی چارا تھا، وہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم ابوموسیٰ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو (اس دوران میں) کھانا لایا گیا، اس میں مرغ کا گوشت تھا، اس وقت ان کے پاس بنوتیم اللہ کا ایک سرخ رنگ کا آدمی بھی بیٹھا ہوا تھا، یہ شخص غالباً موالی میں سے تھا[2]، یہ ان کے کھانے میں شریک نہیں ہوا۔ چنانچہ انھوں نے اسے کھانے کے لیے بلایا تو وہ ہچکچایا۔ انھوں نے کہا: آجاؤ آجاؤ، (اور کھاؤ)، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے کھاتے ہوئے دیکھا ہے[3]۔ اس نے بتایا کہ میں نے اس کو بدبودار چیزوں میں منہ مارتے ہوئے دیکھا تو مجھے اس سے گھن آنے لگی[4] تو پھر میں نے قسم کھالی کہ میں اس کا گوشت کبھی نہیں کھاؤں گا[5]۔ انھوں نے کہا کہ آجاؤ (اور کھاؤ) میں تمھاری قسم کے بارے میں بھی تمھیں بتاتا ہوں[6]۔ (پھر انھوں نے اپنا واقعہ سنایا کہ ایک سفر میں جانے کے لیے ہمارے پاس سواری نہ تھی) ہم پیدل تھے[7]۔ چنانچہ میں (سواری مانگنے کے لیے) اپنے کچھ اشعری لوگوں کے ہمراہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، (ہوا یوں

کہ) میں آپ کے پاس ایسے وقت میں پہنچا، جبکہ آپ صدقہ کے اونٹ تقسیم کر رہے تھے، اور اس وقت (کسی وجہ سے) آپ غصے کی حالت میں تھے، ہم نے اسی حالت میں آپ سے سواری کا مطالبہ کیا تو آپ نے ہمیں سواری مہیا کرنے سے معذوری ظاہر کی، لیکن ہم نے آپ سے پھر سواری کا مطالبہ کیا۔ اس پر آپ نے کہا: نہیں، بخدا، میں تمھیں سواری مہیا نہیں کروں گا اور نہ میرے پاس کوئی سواری ہے جو میں تمھیں دوں[8]۔ وہ کہتے ہیں: پھر ہم چلے آئے اور جتنے دن اللہ نے چاہا، ہم اسی طرح ٹھیرے رہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غنیمت کے اونٹ آئے تو آپ نے کہا: اشعری کہاں ہیں؟ اشعری کہاں ہیں[9]؟ (چنانچہ جب ہم لوگ آپ کے پاس آئے) تو آپ نے حکم دیا کہ ہمیں سفید کوہانوں والے پانچ[10] اونٹ دے دیے جائیں، لیکن جب (انھیں لے کر) ہم چلے آئے تو ہم نے آپس میں کہا کہ یہ ہم نے کیا کر ڈالا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قسم کھائی تھی کہ آپ ہمیں سواری نہیں دیں گے اور (یہ سچ ہے کہ) آپ کے پاس کوئی سواری تھی بھی نہیں جو آپ ہمیں دیتے اور اب آپ نے ہمیں یہ سواریاں مہیا کر دی ہیں، ہم نے (شاید) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی قسم بھلا دی ہے، (اگر ایسا ہی ہوا ہے تو) خدا کی قسم، ہم کبھی فلاح نہ پا سکیں گے۔ چنانچہ ہم آپ کی طرف واپس آئے[11]، آپ نے (جب ہمیں دیکھا تو) پوچھا: واپس کیوں آئے ہو؟ ہم نے عرض کی کہ ہم نے آپ سے سواری مانگی تھی، لیکن آپ نے قسم کھالی تھی کہ آپ ہمیں سواری مہیا نہیں کریں گے اور اب آپ نے ہمیں یہ سواریاں مہیا کر دی ہیں، ہمیں یہ ڈر ہے کہ ہمیں (ان میں) برکت نہ دی جائے گی اور ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ ہم نے کہیں آپ کو آپ کی قسم نہ بھلا دی ہو[12]۔ آپ نے فرمایا: بخدا، میں اسے بھولا نہیں تھا۔ پھر آپ نے فرمایا: جاؤ، تمھیں میں نے سواری نہیں دی، یہ اللہ نے دی ہے[13]۔ اللہ کی قسم، اگر خدا نے چاہا تو کبھی ایسا نہیں ہوگا کہ میں کوئی قسم کھاؤں پھر اس سے بہتر کوئی بات پاؤں تو وہی بات اختیار نہ کروں جو بہتر ہے، (میں اس بہتر بات ہی کو اختیار کروں گا) اور اپنی قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ دوں گا[14]۔

ترجمہ کے حواشی

۱۔ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب ابو موسیٰ اشعری کوفہ میں امیر کی حیثیت سے آئے۔

۲۔ بعض دوسری احادیث سے پتا چلتا ہے کہ یہ شخص کوئی اور نہیں تھا خود زہدم جرمی ہی تھے اور انھوں نے اس روایت میں خود کو مبہم رکھا ہے۔

۳۔ کسی مسلمان کے لیے کسی کھانے سے رکنے کی جو عام وجہ ہو سکتی ہے، وہ یہی ہے کہ وہ اسے خدا اور اس کے رسول کے نزدیک حرام یا مکروہ سمجھتا ہو۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری نے اسے یہ بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا گوشت کھایا ہے، لہٰذا تمھیں اسے کھانے سے ہچکچانا نہیں چاہیے۔

۴۔ یعنی اس نے کہا کہ مرغیوں کو گندی اور بودار چیزیں کھاتے ہوئے دیکھ کر مجھے ان سے کراہت محسوس ہونے لگی ہے۔

۵۔ چنانچہ ان سے اپنی اس کراہت کی بنا پر میں نے یہ قسم کھا رکھی ہے کہ میں ان کا گوشت کبھی نہیں کھاؤں گا۔

۶۔ ابو موسیٰ اشعری نے ان کے اس کراہت کی بنا پر قسم کھانے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ آؤ اور یہ گوشت کھاؤ، میں تمھاری قسم کا حل ابھی تمھیں بتاتا ہوں۔

۷۔ یہ غزوۂ تبوک کے موقع کی بات ہے۔ اس وقت مسلمانوں پر مالی تنگی کا دور تھا۔

۸۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو سواری مہیا نہ کرنے کی قسم کیوں کھائی؟ اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ کو مسلمانوں پر مالی تنگی کے اس دور میں، اپنے صحابی ابو موسیٰ اشعری سے سفر کے لیے سواری مانگنے پر اس طرح اصرار کرنے کی توقع نہ تھی۔

۹۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسلوب کہ اشعری کہاں ہیں؟ اشعری کہاں ہیں؟ یہ بتاتا ہے کہ دراصل، آپ انھیں سواری مہیا کرنے کے کس قدر خواہش مند تھے۔

۱۰۔ اکثر روایات میں پانچ اونٹوں کے دیے جانے کا ذکر ہے، البتہ بعض روایات میں دو یا تین اونٹ دیے جانے کا ذکر بھی موجود ہے۔

۱۱۔ اس طرح کے خیال کا پیدا ہونا اور پھر صحابہ کا لپک کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جانا، یہ وہ حق پرستی ہے جو صحابہ کا خاصہ تھی۔

۱۲۔ یعنی اگر آپ اپنی قسم بھول گئے ہیں اور اس کا باعث ہم لوگ بنے ہیں تو پھر آپ کی قسم کے خلاف ہمیں آپ کے اپنے ہاتھ سے ملنے والے یہ اونٹ ہماری فلاح کے راستے میں رکاوٹ بن جائیں گے، کیونکہ ہمیں اب یہ بات یاد آ گئی ہے کہ آپ نے ہمیں اونٹ نہ دینے کی قسم کھا رکھی تھی۔ چنانچہ اب ہم آپ کی قسم کے خلاف یہ اونٹ لے جا کر کبھی بھی فلاح نہ پا سکیں گے۔

۱۳۔ مطلب یہ ہے کہ تمھیں دینے کے لیے میرے پاس کوئی سواری نہیں تھی، یہ تو اللہ نے تمھارے لیے سواری کا انتظام کر دیا ہے، مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمھارے لیے اس طرح سے سواری کا انتظام ہو جائے گا۔

۱۴۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے جزم کے اسلوب میں بتایا ہے کہ میں ان شاء اللہ کسی خیر اور بھلائی کے کام میں کبھی بھی اپنی قسم کو رکاوٹ نہیں بننے دوں گا۔

متن کے حواشی

۱۔ اپنی اصل کے اعتبار سے یہ بخاری کی روایت، رقم ۲۹۶۴ ہے۔ بعض اختلافات کے ساتھ یہ مضمون یا اس کے کچھ حصے حسب ذیل (۳۶) مقامات پر نقل ہوئے ہیں:

بخاری، رقم ۴۱۲۴، ۵۱۹۹، ۶۲۴۹، ۶۲۷۳، ۶۳۰۲، ۶۳۴۰، ۶۳۴۲، ۱۱۶۷؛ مسلم، رقم ۱۶۴۹، (۷)؛ ابوداؤد، رقم ۳۲۷۶؛ نسائی، رقم ۳۷۷۹، ۳۷۸۰؛ ابن ماجہ، رقم ۲۱۰۷؛ احمد بن حنبل، رقم ۱۹۵۷۶، ۱۹۶۰۶، ۱۹۶۳۸، ۱۹۷۶۴؛ ابن حبان، رقم ۴۳۵۳، ۴۳۵۴؛ بیہقی، رقم ۱۹۵۹۲، ۱۹۶۲۷، ۱۹۶۲۸، ۱۹۶۲۹، ۱۹۶۳۰، ۱۹۶۳۱، ۱۹۷۳۳، ۱۹۷۳۵، ۱۹۷۳۶، ۱۹۷۳۷، ۱۹۷۳۸۔

۲۔ 'لَمَّا قَدِمَ أَبُوْ مُوْسٰی أَکْرَمَ هٰذَا الْحَیَّ مِنْ جَرْمٍ' (جب ابوموسیٰ آئے تو انھوں نے جرم کے اس قبیلے کا بڑا اکرام کیا) کے الفاظ بخاری، رقم ۴۱۲۴ سے لیے گئے ہیں۔

۳۔ 'وُدٌّ' (محبت) کے الفاظ بخاری، رقم ۶۲۷۳ سے لیے گئے ہیں۔

۴۔ 'کَانَ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْأَشْعَرِیِّیْنَ إِخَآءٌ' (ہمارے اور اشعریوں کے مابین بھائی چارا تھا) کے الفاظ بیہقی، رقم ۱۹۷۳۳ سے لیے گئے ہیں۔

۵۔ 'فَأُتِیَ بِطَعَامٍ فِیْهِ لَحْمُ دَجَاجٍ' (چنانچہ کھانا لایا گیا، اس میں مرغ کا گوشت تھا) کے الفاظ بخاری، رقم ۵۱۹۹ سے لیے گئے ہیں۔

۶۔'فَلَمْ یَدْنُ مِنْ طَعَامِہٖ' (تو وہ ان کے (اس) کھانے کے لیے آگے نہ بڑھا) کے الفاظ بخاری، رقم ۵۱۹۹ سے لیے گئے ہیں۔

۷۔'فَتَلَکَّأَ، فَقَالَ ھَلُمَّ، فَإِنِّیْ قَدْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْکُلُ مِنْہُ' (وہ ہچکچایا تو انھوں نے کہا: آگے آؤ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے کھاتے ہوئے دیکھا ہے) کے الفاظ مسلم، رقم ۱۶۴۹ سے لیے گئے ہیں۔

۸۔'نَتْنًا' (بدبودار چیز) کا لفظ بیہقی، رقم ۱۹۷۳۳ سے لیا گیا ہے۔

۹۔'أَنْ لَّا أَطْعَمَہُ أَبَدًا' (کہ میں اسے کبھی نہیں کھاؤں گا) کے الفاظ بخاری، رقم ۶۳۴۲ سے لیے گئے ہیں۔

۱۰۔'أُخْبِرُکَ عَنْ یَمِیْنِکَ' (میں تمھیں تمھاری قسم کے بارے میں بتاتا ہوں) کے الفاظ بخاری، رقم ۴۱۲۴ سے لیے گئے ہیں۔

۱۱۔'کُنَّا مُشَاۃً فَ' (ہم پیدل تھے تو) کے الفاظ مسلم، رقم ۱۶۴۹ سے لیے گئے ہیں۔

۱۲۔'فَوَافَقْتُہُ وَھُوَ غَضْبَانُ وَھُوَ یَقْسِمُ نَعَمًا مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَۃِ فَاسْتَحْمَلْنَاہُ' (تو میں آپ کے سامنے آیا اس حال میں کہ آپ غصے میں تھے اور اس وقت آپ صدقے کے اونٹ تقسیم کر رہے تھے۔ چنانچہ ہم نے آپ سے سواری کا مطالبہ کیا) کے الفاظ بخاری، رقم ۵۱۹۹ سے لیے گئے ہیں۔

۱۳۔'فَأَبٰی أَنْ یَّحْمِلَنَا فَاسْتَحْمَلْنَاہُ' (تو آپ نے ہمیں سواری مہیا کرنے سے معذوری ظاہر کی، لیکن ہم نے پھر آپ سے سواری کا مطالبہ کیا) کے الفاظ بخاری، رقم ۴۱۲۴ سے لیے گئے ہیں۔

۱۴۔'لَا وَاللّٰہِ مَا' (نہیں، بخدا نہیں) کے الفاظ احمد بن حنبل، رقم ۱۹۵۷۶ سے لیے گئے ہیں۔

۱۵۔'عَلَیْہِ' (اس پر) کے الفاظ بخاری، رقم ۶۳۴۲ سے لیے گئے ہیں۔

۱۶۔'قَالَ فَانْطَلَقْنَا' (انھوں نے کہا: پھر ہم چلے گئے) کے الفاظ بخاری، رقم ۶۷۲۱ سے لیے گئے ہیں۔

۱۷۔'ثُمَّ لَبِثْنَا مَا شَآءَ اللّٰہُ اَنْ نَّلْبَثَ ثُمَّ' (پھر جب تک اللہ نے چاہا، ہم اسی طرح رکے رہے پھر) کے الفاظ بخاری، رقم ۶۲۴۹ سے لیے گئے ہیں۔

۱۸۔'أَیْنَ الْأَشْعَرِیُّوْنَ أَیْنَ الْأَشْعَرِیُّوْنَ' (اشعری کہاں ہیں؟ اشعری کہاں ہیں؟) کے الفاظ بخاری، رقم ۵۱۹۹ سے لیے گئے ہیں۔

۱۹۔'مَا صَنَعْنَا حَلَفَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَحْمِلُنَا وَمَا عِنْدَہُ مَا یَحْمِلُنَا ثُمَّ

حَملَنَا تغَفَّلنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَمِينَهُ وَاللّٰهِ لَا نُفلِحُ أَبَدًا فَرَجَعنَا إِلَيهِ‘(یہ ہم نے کیا کرڈالا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قسم کھائی تھی کہ آپ ہمیں سواری نہیں دیں گے اور (یہ سچ ہے کہ) آپ کے پاس کوئی سواری تھی بھی نہیں جو آپ ہمیں دیتے اور اب آپ نے ہمیں یہ سواریاں مہیا کر دی ہیں، ہم نے (شاید) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی قسم بھلا دی ہے، (اگر ایسا ہی ہوا ہے تو) خدا کی قسم، ہم کبھی فلاح نہ پا سکیں گے۔ چنانچہ ہم آپ کی طرف واپس آئے) کے الفاظ بخاری، رقم ۶۲۷۳ سے لیے گئے ہیں۔

۲۰۔’قَالَ مَا رَدَّكُم‘(آپ نے پوچھا: واپس کیوں آ گئے؟) کے الفاظ بیہقی، رقم ۱۹۶۲۷ سے لیے گئے ہیں۔

۲۱۔’وَقَد حَمَلتَنَا‘(اور آپ نے ہمیں سواری مہیا کر دی ہے) کے الفاظ بخاری، رقم ۴۱۲۴ سے لیے گئے ہیں۔

۲۲۔’فَخَشِينَا أَنْ لَّا يُبَارَكَ لَنَا وَخَشِينَا أَنْ نَّكُوْنَ نَسِينَاكَ يَمِينَكَ‘(تو ہمیں ڈر ہے کہ ہمیں برکت نہ دی جائے گی اور ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ ہم نے کہیں آپ کو آپ کی قسم نہ بھلا دی ہو) کے الفاظ بیہقی، رقم ۱۹۶۲۷ سے لیے گئے ہیں۔

۲۳۔’قَالَ إِنِّی وَاللّٰهِ مَا نَسِيتُهَا‘(آپ نے کہا: بخدا، میں اسے بھولا نہیں تھا) کے الفاظ مسلم، رقم ۱۶۴۹ سے لیے گئے ہیں۔

۲۴۔’فَقَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اِنطَلِقُوا‘(تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چلے جاؤ) کے الفاظ احمد بن حنبل، رقم ۱۹۶۰۶ سے لیے گئے ہیں۔

۲۵۔’مَا أَنَا حَمَلتُكُم بَلِ اللّٰهُ حَمَلَكُم‘((تو آپ نے کہا) میں نے تمھیں سوار نہیں کرایا، بلکہ اللہ نے سوار کرایا ہے) کے الفاظ بخاری، رقم ۶۲۴۹ سے لیے گئے ہیں۔

بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۵۱۹۹ میں ’كَانَ بَينَنَا وَبَينَ الأَشعَرِيِّينَ وُدٌّ وَإِخَاءٌ‘ کے بجائے ’وَكَانَ بَينَنَا وَبَينَ هٰذَا الحَيِّ مِن جَرمٍ إِخَاءٌ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۲۷۳ میں ’كَانَ بَينَ هٰذَا الحَيِّ مِن جَرمٍ وَبَينَ الأَشعَرِيِّينَ وُدٌّ وَإِخَاءٌ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۴۲ میں ’وَكَانَ بَينَنَا وَبَينَ هٰذَا الحَيِّ مِن جَرمٍ إِخَاءٌ وَمَعرُوفٌ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۷۳۳ میں ’كَانَ بَينَنَا وَبَينَ الأَشعَرِيِّينَ إِخَاءٌ‘ کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۴۱۲۴ میں ’كُنَّا عِندَ أَبِی مُوسٰی فَأُتِیَ بِطَعَامٍ فِيهِ لَحمُ دَجَاجٍ‘ کے بجائے ’وَإِنَّا لَجُلُوسٌ عِندَهُ وَهُوَ يَتَغَدّٰی دَجَاجًا‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۲۹۶۴ میں

'كُنَّا عِنْدَ أَبِيْ مُوْسٰى فَأُتِيَ وَذَكَرَ دَجَاجَةً' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۵۱۹۹ میں 'كُنَّا عِنْدَ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيّ وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ هٰذَا الْحَيِّ مِنْ جَرْمٍ إِخَاءٌ فَأُتِيَ بِطَعَامٍ فِيْهِ لَحْمُ دَجَاجٍ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۲۷۳ میں 'فَكُنَّا عِنْدَ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيّ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ فِيْهِ لَحْمُ دَجَاجٍ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۴۲ میں 'كُنَّا عِنْدَ أَبِيْ مُوْسٰى وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ هٰذَا الْحَيِّ مِنْ جَرْمٍ إِخَاءٌ وَمَعْرُوْفٌ قَالَ فَقَدَّمَ طَعَامَهُ قَالَ وَقَدَّمَ فِيْ طَعَامِهِ لَحْمُ دَجَاجٍ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹ میں 'كُنَّا عِنْدَ أَبِيْ مُوْسٰى فَدَعَا بِمَائِدَتِهِ وَعَلَيْهَا لَحْمُ دَجَاجٍ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹ میں 'دَخَلْتُ عَلٰى أَبِيْ مُوْسٰى وَهُوَ يَأْكُلُ لَحْمُ دَجَاجٍ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۶۰۶ میں 'كُنَّا عِنْدَ أَبِيْ مُوْسٰى فَقَدَّمَ فِيْ طَعَامِهِ لَحْمُ دَجَاجٍ' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۴۱۲۴ میں 'وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ تَيْمِ اللّٰهِ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مِنَ الْمَوَالِيْ فَلَمْ يَدْنُ مِنْ طَعَامِهِ، فَدَعَاهُ لِلطَّعَامِ فَتَلَكَّأَ، فَقَالَ هَلُمَّ، فَإِنِّيْ قَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ مِنْهُ' کے بجائے 'وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ جَالِسٌ فَدَعَاهُ إِلَى الْغَدَاءِ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۲۹۶۴ میں 'وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ تَيْمِ اللّٰهِ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مِنَ الْمَوَالِيْ فَدَعَاهُ لِلطَّعَامِ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۵۱۹۹ میں 'وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ جَالِسٌ أَحْمَرُ فَلَمْ يَدْنُ مِنْ طَعَامِهِ قَالَ ادْنُ فَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ مِنْهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۲۷۳ میں 'وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ تَيْمِ اللّٰهِ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مِنَ الْمَوَالِيْ فَدَعَاهُ إِلَى الطَّعَامِ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۴۲ میں 'وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ تَيْمِ اللّٰهِ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مَوْلًى قَالَ فَلَمْ يَدْنُ فَقَالَ لَهُ أَبُوْ مُوْسَى ادْنُ فَإِنِّيْ قَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ مِنْهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۱۱۶۷ میں 'وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ تَيْمِ اللّٰهِ كَأَنَّهُ مِنَ الْمَوَالِيْ فَدَعَاهُ إِلَيْهِ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹ میں 'فَدَخَلَ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ تَيْمِ اللّٰهِ أَحْمَرُ شَبِيْهٌ بِالْمَوَالِيْ فَقَالَ لَهُ هَلُمَّ فَتَلَكَّأَ فَقَالَ هَلُمَّ فَإِنِّيْ قَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ مِنْهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۶۰۶ میں 'وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ تَيْمِ اللّٰهِ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مَوْلًى فَلَمْ يَدْنُ قَالَ لَهُ أَبُوْ مُوْسَى ادْنُ فَإِنِّيْ قَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ

صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ مِنْهُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۲۷ میں ’قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی أَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ يَأْكُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ فَقَالَ ادْنُ فَكُلْ‘ کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۴۱۲۴ میں ’فَقَالَ إِنِّیْ رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ نَتْنًا، فَقَذِرْتُهُ، فَحَلَفْتُ أَنْ لَّا أَطْعَمَهُ أَبَدًا‘ کے بجائے ’فَقَالَ إِنِّیْ رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۲۹۶۴ میں ’فَقَالَ إِنِّیْ رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ لَا آكُلُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۵۱۹۹ میں ’قَالَ إِنِّیْ رَأَيْتُهُ أَكَلَ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَّا آكُلَهُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۲۷۳ میں ’فَقَالَ إِنِّیْ رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَّا آكُلَهُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۴۲ میں ’قَالَ إِنِّیْ رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَّا أَطْعَمَهُ أَبَدًا‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۱۱۷ ۶ میں ’فَقَالَ إِنِّیْ رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ لَا آكُلُهُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹ میں ’فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّیْ رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَّا أَطْعَمَهُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۶۰۶ میں ’قَالَ إِنِّیْ رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَّا أَطْعَمَهُ أَبَدًا‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۲۷ میں ’فَقُلْتُ إِنِّیْ حَلَفْتُ لَّا آكُلُهُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۷۳۳ میں ’فَقَالَ إِنِّیْ رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ نَتْنًا فَحَلَفْتُ أَنْ لَّا أَطْعَمَهُ أَبَدًا‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۷۳۷ میں ’قَالَ إِنِّیْ وَاللّٰهِ رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَّا آكُلَ مِنْهُ‘ کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۴۱۲۴ میں ’فَقَالَ هَلُمَّ، أُخْبِرْكَ عَنْ يَمِينِكَ‘ کے بجائے ’فَقَالَ هَلُمَّ فَإِنِّیْ رَأَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهُ فَقَالَ إِنِّیْ حَلَفْتُ لَّا آكُلُهُ فَقَالَ هَلُمَّ أُخْبِرْكَ عَنْ يَمِينِكَ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۲۹۶۴ میں ’فَقَالَ هَلُمَّ فَلَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذَاكَ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۵۱۹۹ میں ’فَقَالَ ادْنُ أُخْبِرْكَ أَوْ أُحَدِّثْكَ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۲۷۳ میں ’فَقَالَ قُمْ فَلَأُحَدِّثَنَّكَ عَنْ ذَاكَ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۴۲ میں ’فَقَالَ ادْنُ أُخْبِرْكَ عَنْ ذٰلِكَ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۱۱۷ ۶ میں ’فَقَالَ هَلُمَّ فَلَأُحَدِّثُكَ عَنْ ذَاكَ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹ میں ’فَقَالَ هَلُمَّ أُحَدِّثُكَ عَنْ ذٰلِكَ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۶۰۶ میں ’فَقَالَ ادْنُ أُخْبِرُكَ عَنْ ذٰلِكَ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم

۱۹۶۲۷میں 'قَالَ ادْنُ فَكُلْ وَسَأُخْبِرُكَ عَنْ يَمِينِكَ هٰذِهِ قَالَ فَدَنَوْتُ فَأَكَلْتُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۷۳۳میں 'فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ مِنْهُ ثُمَّ حَدَّثَ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۷۳۷میں 'قَالَ فَهَلُمَّ أُخْبِرُكَ عَنْ ذَاكَ' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۴۱۲۴میں 'كُنَّا مُشَاةً فَإِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفَرٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ، فَوَافَقْتُهُ وَهُوَ غَضْبَانُ، وَهُوَ يَقْسِمُ نَعَمًا مِّنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ، فَاسْتَحْمَلْنَاهُ' کے بجائے 'إِنَّا أَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَرٌ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ فَاسْتَحْمَلْنَاهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۲۹۶۴میں 'إِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفَرٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ نَسْتَحْمِلُهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۵۱۹۹میں 'إِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفَرٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ فَوَافَقْتُهُ وَهُوَ غَضْبَانُ وَهُوَ يَقْسِمُ نَعَمًا مِّنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ فَاسْتَحْمَلْنَاهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۲۴۹میں 'قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ أَسْتَحْمِلُهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۲۷۳میں 'إِنِّي أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفَرٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ نَسْتَحْمِلُهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۰۲میں 'قَالَ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفَرٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ فَوَافَقْتُهُ وَهُوَ غَضْبَانُ فَاسْتَحْمَلْنَاهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۴۰میں 'قَالَ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ أَسْتَحْمِلُهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۴۲میں 'أَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ أَسْتَحْمِلُهُ وَهُوَ يَقْسِمُ نَعَمًا مِّنْ نَّعَمِ الصَّدَقَةِ قَالَ أَيُّوْبُ أَحْسِبُهُ قَالَ وَهُوَ غَضْبَانُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۱۱۶۷میں 'إِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفَرٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ نَسْتَحْمِلُهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹میں 'قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ نَسْتَحْمِلُهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹میں 'إِنِّي أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ نَسْتَحْمِلُهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹میں 'قَالَ أَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹میں 'قَالَ كُنَّا مُشَاةً فَأَتَيْنَا نَبِيَّ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ نَسۡتَحۡمِلُهُ ‘کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً نسائی، رقم ۳۷۸۰ میں ’أَتَيۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فِيۡ رَهۡطٍ مِّنَ الۡأَشۡعَرِيِّيۡنَ نَسۡتَحۡمِلُهُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۶۰۶ میں ’إِنِّيۡ أَتَيۡتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فِيۡ رَهۡطٍ مِّنَ الۡأَشۡعَرِيِّيۡنَ نَسۡتَحۡمِلُهُ وَهُوَ يَقۡسِمُ نَعَمًا مِّنۡ نَعَمِ الصَّدَقَةِ قَالَ أَيُّوۡبُ أَحۡسِبُهُ وَهُوَ غَضۡبَانُ ‘کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۶۳۸ میں ’قَالَ انۡطَلَقۡنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ نَسۡتَحۡمِلُهُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۷۶۴ میں ’قَالَ أَتَيۡنَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ نَسۡتَحۡمِلُهُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً ابن حبان، رقم ۴۳۶۴ میں ’قَالَ كُنَّا مُشَاةً فَأَتَيۡنَا نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ نَسۡتَحۡمِلُهُ ‘کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۵۹۲ میں ’قَالَ أَتَيۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فِيۡ رَهۡطٍ مِّنَ الۡأَشۡعَرِيِّيۡنَ نَسۡتَحۡمِلُهُ ‘کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۲۷ میں ’قَالَ أَتَيۡنَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فِيۡ نَاسٍ مِّنَ الۡأَشۡعَرِيِّيۡنَ نَسۡتَحۡمِلُهُ ‘کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۲۹ میں ’قَالَ أَتَيۡنَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ نَسۡتَحۡمِلُهُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۷۳۳ میں ’أَنَّهُ أَتَى رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فِيۡ نَفَرٍ مِّنَ الۡأَشۡعَرِيِّيۡنَ يَسۡتَحۡمِلُهُ فَأَتَاهُ وَهُوَ يَقۡسِمُ ذَوۡدًا مِّنۡ إِبِلِ الصَّدَقَةِ فَقُلۡتُ يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ احۡمِلۡنَا وَهُوَ غَضۡبَانُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۷۳۵ میں ’قَالَ أَتَيۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فِيۡ رَهۡطٍ مِّنَ الۡأَشۡعَرِيِّيۡنَ نَسۡتَحۡمِلُهُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۸۷۳۸ میں ’عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهِ إِبِلًا فَفَرَّقَهَا فَقَالَ أَبُوۡ مُوۡسَى الۡأَشۡعَرِيُّ أَجۡذُنِيۡ ‘کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۴۱۲۴ میں ’فَأَبٰى أَنۡ يَّحۡمِلَنَا فَاسۡتَحۡمَلۡنَاهُ ثَلَاثًا، فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ مَا أَحۡمِلُكُمۡ وَمَا عِنۡدِيۡ مَا أَحۡمِلُكُمۡ عَلَيۡهِ‘ کے بجائے ’فَأَبٰى أَنۡ يَّحۡمِلَنَا فَاسۡتَحۡمَلۡنَاهُ فَحَلَفَ أَنۡ لَّا يَحۡمِلَنَا ‘کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۲۹۶۴ میں ’فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا أَحۡمِلُكُمۡ وَمَا عِنۡدِيۡ مَا أَحۡمِلُكُمۡ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۵۱۹۹ میں ’فَحَلَفَ أَنۡ لَّا يَحۡمِلَنَا قَالَ مَا عِنۡدِيۡ مَا أَحۡمِلُكُمۡ عَلَيۡهِ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۲۴۹ میں ’فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا أَحۡمِلُكُمۡ وَمَا عِنۡدِيۡ مَا أَحۡمِلُكُمۡ عَلَيۡهِ ‘کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۰۲ میں ’فَحَلَفَ أَنۡ لَّا يَحۡمِلَنَا‘ کے الفاظ

اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۴۰ میں 'فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ مَا عِنْدِيْ مَا أَحْمِلُكُمْ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۴۲ میں 'قَالَ وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ مَا عِنْدِيْ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۱۱۷ میں 'قَالَ وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِيْ مَا أَحْمِلُكُمْ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹ میں 'فَقَالَ مَا عِنْدِيْ مَا أَحْمِلُكُمْ وَاللّٰهِ مَا أَحْمِلُكُمْ' اور بعض روایات مثلاً ابن ماجہ، رقم ۲۱۰۷ میں 'فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ مَا عِنْدِيْ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۵۷۶ میں 'فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ مَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِيْ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۶۰۶ میں 'فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ مَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِيْ مَا أَحْمِلُكُمْ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۶۳۸ میں 'فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۷۶۴ میں 'فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً ابن حبان، رقم ۴۳۵۴ میں 'فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمُ الْيَوْمَ أَوْ قَالَ وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۵۹۲ میں 'قَالَ وَاللّٰهِ مَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِيْ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۲۷ میں 'فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِيْ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۲۹ میں 'فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِيْ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۷۳۳ میں 'فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَلَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۷۳۵ میں 'قَالَ وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِيْ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۷۳۸ میں 'فَقَالَ لَا فَقَالَ لَهُ ثَلَاثًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَاللّٰهِ لَا أَفْعَلُ' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۴۱۲۴ میں 'قَالَ فَانْطَلَقْنَا، ثُمَّ لَبِثْنَا مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ نَّلْبَثَ، ثُمَّ أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَهْبِ إِبِلٍ، فَقَالَ أَيْنَ الْأَشْعَرِيُّوْنَ؟ أَيْنَ الْأَشْعَرِيُّوْنَ؟ فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰى' کے بجائے 'ثُمَّ لَمْ يَلْبَثِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُتِيَ بِنَهْبِ إِبِلٍ فَأُمِرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۲۹۶۴ میں 'وَأُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَهْبِ إِبِلٍ فَسَأَلَ عَنَّا فَقَالَ أَيْنَ النَّفَرُ الْأَشْعَرِيُّوْنَ فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰى' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۵۱۹۹ میں 'ثُمَّ أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بِنَھَبٍ مِّنْ إِبِلٍ فَقَالَ أَیْنَ الْأَشْعَرِیُّوْنَ أَیْنَ الْأَشْعَرِیُّوْنَ قَالَ فَأَعْطَانَا خَمْسَ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰی' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۲۴۹ میں 'قَالَ ثُمَّ لَبِثْنَا مَا شَاءَ اللّٰہُ اَنْ نَّلْبَثَ ثُمَّ أُتِیَ بِثَلَاثِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰی فَحَمَلَنَا عَلَیْھَا' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۲۷۳ میں 'فَأُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنَھَبِ إِبِلٍ فَسَأَلَ عَنَّا فَقَالَ أَیْنَ النَّفَرُ الْأَشْعَرِیُّوْنَ فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰی' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۴۰ میں 'ثُمَّ لَبِثْنَا مَا شَاءَ اللّٰہُ فَأُتِیَ بِإِبِلٍ فَأَمَرَ لَنَا بِثَلَاثِ ذَوْدٍ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۴۲ میں 'قَالَ فَانْطَلَقْنَا فَأُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنَھَبِ إِبِلٍ فَقِیْلَ أَیْنَ ھٰؤُلَاءِ الْأَشْعَرِیُّوْنَ فَأَتَیْنَا فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰی' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۱۱۶۷ میں 'فَأُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنَھَبِ إِبِلٍ فَسَأَلَ عَنَّا فَقَالَ أَیْنَ النَّفَرُ الْأَشْعَرِیُّوْنَ فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰی' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹ میں 'قَالَ فَلَبِثْنَا مَا شَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ أُتِیَ بِإِبِلٍ فَأَمَرَ لَنَا بِثَلَاثِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰی' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹ میں 'فَلَبِثْنَا مَا شَاءَ اللّٰہُ فَأُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنَھَبِ إِبِلٍ فَدَعَا بِنَا فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰی' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹ میں 'ثُمَّ بَعَثَ إِلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثَۃِ ذَوْدٍ بُقْعِ الذُّرٰی' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً نسائی، رقم ۳۷۸۰ میں 'ثُمَّ لَبِثْنَا مَا شَاءَ اللّٰہُ فَأُتِیَ بِإِبِلٍ فَأَمَرَ لَنَا بِثَلَاثِ ذَوْدٍ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً ابن ماجہ، رقم ۲۱۰۷ میں 'قَالَ فَلَبِثْنَا مَا شَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ أُتِیَ بِإِبِلٍ فَأَمَرَ لَنَا بِثَلَاثَۃِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰی' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۵۷۶ میں 'فَلَبِثْنَا مَا شَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ أَمَرَ لَنَا بِثَلَاثِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰی' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۶۰۶ میں 'فَانْطَلَقْنَا فَأُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنَھَبِ إِبِلٍ فَقَالَ أَیْنَ ھٰؤُلَاءِ الْأَشْعَرِیُّوْنَ فَأَتَیْنَا فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰی' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۶۳۸ میں 'فَرَجَعْنَا فَبَعَثَ إِلَیْنَا بِثَلَاثٍ بُقْعِ الذُّرٰی' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۷۶۴ میں 'فَلَمَّا رَجَعْنَا أَرْسَلَ إِلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثِ ذَوْدٍ بُقْعِ الذُّرٰی' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً ابن حبان، رقم ۴۳۵۴ میں 'قَالَ فَلَمَّا رَجَعْنَا إِلَی الْمَنْزِلِ أَوْ قَالَ حِیْنَ رَجَعْنَا إِلَی الْمَنْزِلِ أَتَاہُ قَطِیْعٌ مِّنْ إِبِلٍ فَإِذَا قَدْ بَعَثَ إِلَیْنَا بِثَلَاثٍ بُقْعِ الذُّرٰی' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۵۹۲ میں 'قَالَ فَلَبِثْنَا مَا شَاءَ اللّٰہُ أُتِیَ بِإِبِلٍ فَأَمَرَ لَنَا بِثَلَاثِ ذَوْدٍ بُقْعِ

الذُّرٰی' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۲۷ میں 'قَالَ فَمَا بَرِحْنَا حَتّٰی أَتَتْهُ فَرَائِضُ غُرُّ الذُّرٰی فَأَمَرَ لَنَا مِنْهَا بِحَمَلَانٍ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۲۹ میں 'قَالَ فَلَمَّا رَجَعْنَا أَرْسَلَ إِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثِ ذَوْدٍ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۷۳۳ میں 'ثُمَّ أُتِيَ بِنَهْبِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰی فَأَعْطَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰی' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۷۳۵ میں 'قَالَ فَلَبِثْنَا مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ أُتِيَ بِإِبِلٍ فَأَمَرَ لَنَا بِثَلَاثِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰی' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۷۳۸ میں 'قَالَ وَبَقِيَ أَرْبَعٌ غُرُّ الذُّرٰی فَقَالَ لَهُ يَا أَبَا مُوْسٰی خُذْهُنَّ' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۴۱۲۴ میں 'فَلَمَّا انْطَلَقْنَا، قُلْنَا مَا صَنَعْنَا، حَلَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْمِلُنَا وَمَا عِنْدَهُ مَا يَحْمِلُنَا ثُمَّ حَمَلَنَا تَغَفَّلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِيْنَهُ وَاللّٰهِ لَا نُفْلِحُ أَبَدًا، فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ، قَالَ مَا رَدُّكُمْ؟ فَقُلْنَا إِنَّا سَأَلْنَاكَ أَنْ تَحْمِلَنَا فَحَلَفْتَ أَنْ لَّا تَحْمِلَنَا وَقَدْ حَمَلْتَنَا فَخَشِيْنَا أَنْ لَّا يُبَارَكَ لَنَا وَخَشِيْنَا أَنْ تَكُوْنَ نَسِيْنَاكَ يَمِيْنَكَ' کے بجاے 'فَلَمَا قَبَضْنَاهَا قُلْنَا تَغَفَّلْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِيْنَهُ لَا نُفْلِحُ بَعْدَهَا أَبَدًا فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّكَ حَلَفْتَ أَنْ لَّا تَحْمِلَنَا وَقَدْ حَمَلْتَنَا' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۲۹۶۴ میں 'فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا مَا صَنَعْنَا لَا يُبَارَكُ لَنَا فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ فَقُلْنَا إِنَّا سَأَلْنَاكَ أَنْ تَحْمِلَنَا فَحَلَفْتَ أَنْ لَّا تَحْمِلَنَا أَفَنَسِيْتَ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۵۱۹۹ میں 'فَلَبِثْنَا غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقُلْتُ لِأَصْحَابِيْ نَسِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِيْنَهُ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ تَغَفَّلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِيْنَهُ لَا نُفْلِحُ أَبَدًا فَرَجَعْنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا اسْتَحْمَلْنَاكَ فَحَلَفْتَ أَنْ لَّا تَحْمِلَنَا فَظَنَنَّا أَنَّكَ نَسِيْتَ يَمِيْنَكَ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۲۴۹ میں 'فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا أَوْ قَالَ بَعْضُنَا وَاللّٰهِ لَا يُبَارَكُ لَنَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهُ فَحَلَفَ أَنْ لَّا يَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلَنَا فَارْجِعُوْا بِنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنُذَكِّرُهُ فَأَتَيْنَاهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۲۷۳ میں 'فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا مَا صَنَعْنَا حَلَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْمِلُنَا وَمَا عِنْدَهُ مَا يَحْمِلُنَا ثُمَّ حَمَلَنَا تَغَفَّلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِيْنَهُ وَاللّٰهِ لَا نُفْلِحُ أَبَدًا فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ فَقُلْنَا لَهُ إِنَّا أَتَيْنَاكَ لِتَحْمِلَنَا فَحَلَفْتَ أَنْ لَّا تَحْمِلَنَا

وَمَا عِنۡدَكَ مَا تَحۡمِلُنَا ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۴۰ میں 'فَلَمَّا انۡطَلَقۡنَا قَالَ بَعۡضُنَا لِبَعۡضٍ لَا يُبَارِكُ اللّٰهُ لَنَا أَتَيۡنَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ نَسۡتَحۡمِلُهُ فَحَلَفَ أَنۡ لَّا يَحۡمِلَنَا فَحَمَلَنَا فَقَالَ أَبُوۡ مُوۡسٰى فَأَتَيۡنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرۡنَا ذٰلِكَ لَهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۴۲ میں 'قَالَ فَانۡدَفَعۡنَا فَقُلۡتُ لِأَصۡحَابِيۡ أَتَيۡنَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ نَسۡتَحۡمِلُهُ فَحَلَفَ أَنۡ لَّا يَحۡمِلَنَا ثُمَّ أَرۡسَلَ إِلَيۡنَا فَحَمَلَنَا نَسِيَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يَمِيۡنَهُ وَاللّٰهِ لَئِنۡ تَغَفَّلۡنَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يَمِيۡنَهُ لَا نُفۡلِحُ أَبَدًا ارۡجِعُوۡا بِنَا إِلٰى رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فَلَنُذَكِّرۡهُ يَمِيۡنَهُ فَرَجَعۡنَا فَقُلۡنَا يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ أَتَيۡنَاكَ نَسۡتَحۡمِلُكَ فَحَلَفۡتَ أَنۡ لَّا تَحۡمِلَنَا ثُمَّ حَمَلۡتَنَا فَظَنَنَّا أَوۡ فَعَرَفۡنَا أَنَّكَ نَسِيۡتَ يَمِيۡنَكَ ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۱۱۷ میں 'ثُمَّ انۡطَلَقۡنَا قُلۡنَا مَا صَنَعۡنَا حَلَفَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ لَا يَحۡمِلُنَا وَمَا عِنۡدَهُ مَا يَحۡمِلُنَا ثُمَّ حَمَلَنَا تَغَفَّلۡنَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ يَمِيۡنَهُ وَاللّٰهِ لَا نُفۡلِحُ أَبَدًا فَرَجَعۡنَا إِلَيۡهِ فَقُلۡنَا لَهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹ میں 'فَلَمَّا انۡطَلَقۡنَا قُلۡنَا أَوۡ قَالَ بَعۡضُنَا لِبَعۡضٍ لَا يُبَارِكُ اللّٰهُ لَنَا أَتَيۡنَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ نَسۡتَحۡمِلُهُ فَحَلَفَ أَنۡ لَّا يَحۡمِلَنَا ثُمَّ حَمَلَنَا فَأَتَوۡهُ فَأَخۡبَرُوۡهُ ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹ میں 'قَالَ فَلَمَّا انۡطَلَقۡنَا قَالَ بَعۡضُنَا لِبَعۡضٍ أَغۡفَلۡنَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يَمِيۡنَهُ لَا يُبَارَكُ لَنَا فَرَجَعۡنَا إِلَيۡهِ فَقُلۡنَا يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ إِنَّا أَتَيۡنَاكَ نَسۡتَحۡمِلُكَ وَإِنَّكَ حَلَفۡتَ أَنۡ لَّا تَحۡمِلَنَا ثُمَّ حَمَلۡتَنَا أَفَنَسِيۡتَ يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹ میں 'فَقُلۡنَا إِنَّا أَتَيۡنَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ نَسۡتَحۡمِلُهُ فَحَلَفَ أَنۡ لَّا يَحۡمِلَنَا فَأَتَيۡنَاهُ فَأَخۡبَرۡنَاهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً نسائی، رقم ۳۷۸۰ میں 'فَلَمَّا انۡطَلَقۡنَا قَالَ بَعۡضُنَا لِبَعۡضٍ لَا يُبَارِكُ اللّٰهُ لَنَا أَتَيۡنَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ نَسۡتَحۡمِلُهُ فَحَلَفَ أَنۡ لَّا يَحۡمِلَنَا قَالَ أَبُوۡ مُوۡسٰى فَأَتَيۡنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرۡنَا ذٰلِكَ لَهُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً ابن ماجہ، رقم ۲۱۰۷ میں 'فَلَمَّا انۡطَلَقۡنَا قَالَ بَعۡضُنَا لِبَعۡضٍ أَتَيۡنَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ نَسۡتَحۡمِلُهُ فَحَلَفَ أَلَّا يَحۡمِلَنَا ثُمَّ حَمَلَنَا ارۡجِعُوۡا بِنَا فَأَتَيۡنَاهُ فَقُلۡنَا يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ إِنَّا أَتَيۡنَاكَ نَسۡتَحۡمِلُكَ فَحَلَفۡتَ أَنۡ لَّا تَحۡمِلَنَا ثُمَّ حَمَلۡتَنَا' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۵۷۶ میں 'فَلَمَّا انۡطَلَقۡنَا قَالَ بَعۡضُنَا لِبَعۡضٍ أَتَيۡنَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ نَسۡتَحۡمِلُهُ فَحَلَفَ أَنۡ

لَّا یَحْمِلَنَا إِرْجِعُوا بِنَا أَیْ حَتّٰی نَذْکُرَہُ قَالَ فَأَتَیْنَاہُ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ أَنَّا أَتَیْنَاکَ نَسْتَحْمِلُکَ فَحَلَفْتَ أَنْ لَّا تَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلْتَنَا‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۶۰۶ میں ’فَانْدَفَعْنَا فَقُلْتُ لِأَصْحَابِیْ أَتَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُہُ فَحَلَفَ أَنْ لَّا یَحْمِلَنَا ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَیْنَا فَحَمَلَنَا فَقُلْتُ نَسِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمِیْنَہُ وَاللّٰہِ لَئِنْ تَغَفَّلْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمِیْنَہُ لَا نُفْلِحُ أَبَدًا اِرْجِعُوْا بِنَا إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلْنَذْکُرْہُ یَمِیْنَہُ فَرَجَعْنَا إِلَیْہِ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ أَتَیْنَاکَ نَسْتَحْمِلُکَ فَحَلَفْتَ أَنْ لَّا تَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلْتَنَا فَعَرَفْنَا أَوْ ظَنَنَّا أَنَّکَ نَسِیْتَ یَمِیْنَکَ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۶۳۸ میں ’فَقَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ حَلَفَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنْ لَّا یَحْمِلَنَا فَأَتَیْنَاہُ فَقُلْنَا اَنَّکَ حَلَفْتَ أَنْ لَّا تَحْمِلَنَا‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۷۶۴ میں ’قَالَ فَقُلْتُ حَلَفَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنْ لَّا یَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلَنَا فَأَتَیْنَاہُ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ حَلَفْتَ اَنْ لَّا تَحْمِلَنَا فَحَمَلْتَنَا‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً ابن حبان، رقم ۴۳۵۴ میں ’قَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ أَنَرْکَبُ وَقَدْ حَلَفَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَتَیْنَاہُ فَقُلْنَا یَا نَبِیَّ اللّٰہِ إِنَّکَ قَدْ حَلَفْتَ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۵۹۲ میں ’فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا أَوْ قَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ لَا یُبَارِکُ اللّٰہُ لَنَا أَتَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُہُ فَحَلَفَ أَنْ لَّا یَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلَنَا فَأَتَوْہُ فَأَخْبَرُوْہُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۲۷ میں ’فَمَا بَرِحْنَا إِلَّا یَسِیْرًا حَتّٰی قُلْنَا مَا صَنَعْنَا نَسِیْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمِیْنَہُ وَاللّٰہِ لَا نُفْلِحُ قَالَ فَرَجَعْنَا إِلَیْہِ قَالَ مَا رَدَّکُمْ قَالُوْا إِنَّکَ حَلَفْتَ أَلَّا تَحْمِلَنَا فَخَشِیْنَا أَنْ لَّا یُبَارَکُ لَنَا وَخَشِیْنَا أَنْ نَّکُوْنَ نَسِیْنَاکَ یَمِیْنَکَ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۲۹ میں ’فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ إِنَّکَ حَلَفْتَ أَنْ لَّا تَحْمِلَنَا فَحَمَلْتَنَا‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۷۳۳ میں ’فَقُلْتُ تَغَفَّلْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نُفْلِحُ أَبَدًا فَأَتَیْنَاہُ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کُنْتَ حَلَفْتَ أَنْ لَّا تَحْمِلَنَا‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۷۳۵ میں ’فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا أَوْ قَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ لَا یُبَارِکُ اللّٰہُ لَنَا أَتَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُہُ فَحَلَفَ أَنْ لَّا یَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلَنَا فَأَتَوْہُ فَأَخْبَرُوْہُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۷۳۸ میں ’فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ إِنِّیْ اسْتَحْمَلْتُکَ فَمَنَعْتَنِیْ وَحَلَفْتَ فَأَشْفَقْتُ

أَنْ يَّكُوْنَ دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۴۱۲۴ میں 'قَالَ إِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا نَسِيْتُهَا، فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْطَلِقُوْا مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ بَلِ اللّٰهُ حَمَلَكُمْ، وَإِنِّيْ وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُهَا' کے بجائے 'قَالَ أَجَلْ وَلٰكِنْ لَّا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهَا' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۲۹۶۴ میں 'قَالَ لَسْتُ أَنَا حَمَلْتُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَمَلَكُمْ وَإِنِّيْ وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُهَا' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۵۱۹۹ میں 'فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ حَمَلَكُمْ إِنِّيْ وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُهَا' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۲۴۹ میں 'فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ بَلِ اللّٰهُ حَمَلَكُمْ وَإِنِّيْ وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِيْنِيْ وَأَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ أَوْ أَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَكَفَّرْتُ عَنْ يَمِيْنِيْ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۲۷۳ میں 'فَقَالَ إِنِّيْ لَسْتُ أَنَا حَمَلْتُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَمَلَكُمْ وَاللّٰهِ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُهَا' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۰۲ میں 'ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُهَا' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۴۰ میں 'فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ بَلِ اللّٰهُ حَمَلَكُمْ إِنِّيْ وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِيْنِيْ وَأَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَكَفَّرْتُ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ وَقَالَ إِلَّا كَفَّرْتُ يَمِيْنِيْ وَأَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ أَوْ أَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَكَفَّرْتُ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۶۳۴۲ میں 'قَالَ انْطَلِقُوْا فَإِنَّمَا حَمَلَكُمُ اللّٰهُ إِنِّيْ وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُهَا' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۷۱۱۶ میں 'فَقَالَ لَسْتُ أَنَا أَحْمِلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَمَلَكُمْ إِنِّيْ وَاللّٰهِ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ وَّتَحَلَّلْتُهَا' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹ میں 'فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَمَلَكُمْ

وَإِنِّی وَاللّٰہِ إِنْ شَاءَ اللّٰہُ لَا أَحْلِفُ عَلٰی یَمِینٍ ثُمَّ أَرٰی خَیْرًا مِّنْھَا إِلَّا کَفَّرْتُ عَنْ یَمِینِی وَأَتَیْتُ الَّذِی ھُوَ خَیْرٌ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹ میں ’قَالَ إِنِّی وَاللّٰہِ إِنْ شَاءَ اللّٰہُ لَا أَحْلِفُ عَلٰی یَمِینٍ فَأَرٰی غَیْرَھَا خَیْرًا مِّنْھَا إِلَّا أَتَیْتُ الَّذِی ھُوَ خَیْرٌ وَّتَحَلَّلْتُھَا فَانْطَلِقُوا فَإِنَّمَا حَمَلَکُمُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹ میں ’قَالَ إِنِّی وَاللّٰہِ إِنْ شَاءَ اللّٰہُ لَا أَحْلِفُ عَلٰی یَمِینٍ فَأَرٰی غَیْرَھَا خَیْرًا مِّنْھَا إِلَّا أَتَیْتُ الَّذِی ھُوَ خَیْرٌ وَّتَحَلَّلْتُھَا فَانْطَلِقُوا فَإِنَّمَا حَمَلَکُمُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ إِنِّی وَاللّٰہِ مَا نَسِیتُھَا‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً مسلم، رقم ۱۶۴۹ میں ’فَقَالَ إِنِّی لَا أَحْلِفُ عَلٰی یَمِینٍ أَرٰی غَیْرَھَا خَیْرًا مِّنْھَا إِلَّا أَتَیْتُ الَّذِی ھُوَ خَیْرٌ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً ابوداؤد، رقم ۳۲۷۶ میں ’قَالَ إِنِّی وَاللّٰہِ إِنْ شَاءَ اللّٰہُ لَا أَحْلِفُ عَلٰی یَمِینٍ فَأَرٰی غَیْرَھَا خَیْرًا مِّنْھَا إِلَّا کَفَّرْتُ عَنْ یَمِینِی وَأَتَیْتُ الَّذِی ھُوَ خَیْرٌ أَوْ قَالَ إِلَّا أَتَیْتُ الَّذِی ھُوَ خَیْرٌ وَکَفَّرْتُ یَمِینِی‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً نسائی، رقم ۳۷۷۹ میں ’عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا عَلَی الْأَرْضِ یَمِینٌ أَحْلِفُ عَلَیْھَا فَأَرٰی غَیْرَھَا خَیْرًا مِّنْھَا إِلَّا أَتَیْتُہُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً نسائی، رقم ۳۷۸۰ میں ’فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُکُمْ بَلِ اللّٰہُ حَمَلَکُمْ إِنِّی وَاللّٰہِ لَا أَحْلِفُ عَلٰی یَمِینٍ فَأَرٰی غَیْرَھَا خَیْرًا مِّنْھَا إِلَّا کَفَّرْتُ عَنْ یَمِینِی وَأَتَیْتُ الَّذِی ھُوَ خَیْرٌ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً ابن ماجہ، رقم ۲۱۰۷ میں ’فَقَالَ وَاللّٰہِ مَا أَنَا حَمَلْتُکُمْ بَلِ اللّٰہُ حَمَلَکُمْ إِنِّی وَاللّٰہِ إِنْ شَاءَ اللّٰہُ لَا أَحْلِفُ عَلٰی یَمِینٍ فَأَرٰی غَیْرَھَا خَیْرًا مِّنْھَا إِلَّا کَفَّرْتُ عَنْ یَمِینِی وَأَتَیْتُ الَّذِی ھُوَ خَیْرٌ أَوْ قَالَ أَتَیْتُ الَّذِی ھُوَ خَیْرٌ وَکَفَّرْتُ عَنْ یَمِینِی‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۵۷۶ میں ’فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُکُمْ بَلِ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ حَمَلَکُمْ أَنِّی وَاللّٰہِ إِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَا أَحْلِفُ عَلٰی یَمِینٍ فَأَرٰی غَیْرَھَا خَیْرًا مِّنْھَا إِلَّا أَتَیْتُ الَّذِی ھُوَ خَیْرٌ وَکَفَّرْتُ عَنْ یَمِینِی أَوْ قَالَ إِلَّا کَفَّرْتُ یَمِینِی وَأَتَیْتُ الَّذِی ھُوَ خَیْرٌ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۶۰۶ میں ’فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ انْطَلِقُوا فَإِنَّمَا حَمَلَکُمُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ وَإِنِّی وَاللّٰہِ إِنْ شَاءَ اللّٰہُ لَا أَحْلِفُ عَلٰی یَمِینٍ فَأَرٰی غَیْرَھَا خَیْرًا مِّنْھَا إِلَّا أَتَیْتُ الَّذِی ھُوَ خَیْرٌ وَّتَحَلَّلْتُھَا‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۱۹۶۳۸ میں ’فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُکُمْ إِنَّمَا حَمَلَکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی مَا عَلَی الْأَرْضِ یَمِینٌ أَحْلِفُ عَلَیْھَا فَأَرٰی غَیْرَھَا خَیْرًا مِّنْھَا إِلَّا أَتَیْتُہُ‘ کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً احمد بن

حنبل، رقم ۱۹۷۶۴ میں 'فَقَالَ لَمْ أَحْمِلْكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَمَلَكُمْ وَاللّٰهِ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُهُ ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً ابن حبان، رقم ۴۳۵۴ میں 'قَالَ إِنِّيْ وَاللّٰهِمَا أَحْمِلُكُمْ إِنَّمَا حَمَلَكُمُ اللّٰهُ وَمَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ يَمِيْنٍ اَحْلِفُ عَلَيْهَا ثُمَّ أَرٰى خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُهَا أَوْ أَتَيْتُهُ ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۵۹۲ میں 'فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَمَلَكُمْ أَنِّيْ وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ ثُمَّ أَرٰى خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ يَمِيْنِيْ وَأَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۲۷ میں 'قَالَ إِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا نَسِيْتُهَا وَلٰكِنْ مَّنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَرَأٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَلْيَأْتِ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِهِ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۲۹ میں 'قَالَ أَنِّيْ لَمْ أَحْمِلْكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَمَلَكُمْ وَاللّٰهِ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُهُ ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۳۰ میں 'قَالَ أَنِّيْ وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُهَا' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۳۱ میں 'أَنِّيْ وَاللّٰهِ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ يَمِيْنِيْ وَأَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۳۳ میں 'فَقَالَ أَنِّيْ لَسْتُ أَنَا حَمَلْتُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَمَلَكُمْ وَاللّٰهِ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُ عَنْ يَمِيْنِيْ ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۳۵ میں 'فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَمَلَكُمْ أَنِّيْ وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ يَمِيْنِيْ وَأَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۳۶ میں 'إِلَّا كَفَّرْتُ يَمِيْنِيْ وَأَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ أَوْ قَالَ إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَ كَفَّرْتُ يَمِيْنِيْ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۳۷ میں 'إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّيْ وَاللّٰهِ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ يَمِيْنِيْ وَتَحَلَّلْتُهَا اِنْطَلِقُوْا فَإِنَّمَا حَمَلَكُمُ اللّٰهُ (وَ فِي الرِّوَايَةِ الثَّانِيَةِ) إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّيْ وَاللّٰهِ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُهَا ' کے الفاظ اور بعض روایات مثلاً بیہقی، رقم ۱۹۶۳۸ میں 'فَقَالَ أَنِّيْ إِذَا حَلَفْتُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَرَأَيْتُ أَنَّ غَيْرَ ذٰلِكَ أَفْضَلُ كَفَّرْتُ عَنْ يَمِيْنِيْ وَأَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ أَفْضَلُ ' کے الفاظ

روایت ہوئے ہیں۔

یہی مضمون ابن حبان، رقم ۴۳۵۴ میں اس طرح سے بیان ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ لَمْ يَحْنَثْ حَتّٰى نَزَلَتْ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ وَّكَفَّرْتُ عَنْ يَمِيْنِىْ.

''عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ (پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ جب بھی کوئی قسم کھاتے تو اسے لازماً پورا کیا کرتے تھے یہاں تک کہ کفارۂ قسم کی آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اگر میں نے کوئی قسم کھائی اور پھر میں نے اس سے بہتر کسی اور چیز کو پایا تو میں اس بہتر چیز ہی کو اختیار کروں گا اور اپنی قسم کا کفارہ دوں گا۔''

محمد عمار خان ناصر

قصاص کے معاملے میں ریاست کا اختیار

[یہ مصنف کی زیر طبع کتاب ''حدود و تعزیرات ـــــ چند اہم مباحث'' کا ایک جز ہے۔ قارئین ''اشراق'' کے افادے کے لیے اس کتاب کے جملہ مباحث کو بالاقساط شائع کیا جا رہا ہے۔]

ـــــ ۳ ـــــ

کلاسیکل فقہی موقف میں قصاص کو اصلاً مقتول اور اس کے ورثا کا حق قرار دیا گیا ہے جس کی رو سے مقتول یا اس کے ورثا کی طرف سے معافی کی صورت میں قاتل سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے اور قاضی کو قاتل پر قتل کی سزا نافذ کرنے کا اختیار حاصل نہیں رہتا۔ بعض معاصر اہل علم نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے اور ان کے نزدیک اس معاملے میں فیصلہ کن اختیار ورثا کو نہیں، بلکہ ریاست کو حاصل ہے اور مقتول کے اولیا کے معاف کر دینے کے باوجود قاتل سے قصاص لینا اس کی ذمہ داری ہے[1]۔

روایتی فقہی موقف کے حق میں بنیادی طور پر قرآن مجید کی درج ذیل دو آیات سے استدلال کیا گیا ہے:

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ

''اے ایمان والو، تم پر مقتولوں کے معاملے میں قصاص فرض کیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے میں وہی آزاد قتل کیا جائے، غلام کے بدلے میں وہی غلام، اور عورت کے بدلے میں وہی عورت۔ پھر جس کو اپنے

[1] عمر احمد عثمانی، فقہ القرآن: حدود و تعزیرات اور قصاص ۳۲۰-۳۳۱۔

بِاِحۡسَانٍ ذٰلِكَ تَخۡفِيۡفٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَرَحۡمَةٌ فَمَنِ اعۡتَدٰى بَعۡدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ. (۲:۱۷۸)

بھائی کی طرف سے کچھ رعایت مل جائے تو معروف کے مطابق اس معاملے کی پیروی کی جائے اور بھلے طریقے سے (دیت کی رقم) اس کو ادا کر دی جائے۔ یہ تمھارے رب کی طرف سے تخفیف بھی ہے اور رحمت بھی۔ پھر جو شخص اس کے بعد بھی حدود سے تجاوز کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

یہاں مقتول کے ولی کی طرف سے معافی کی صورت میں دیت کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے جس سے فقہا یہ اخذ کرتے ہیں کہ اولیاے مقتول کی معافی فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے اور اس کے بعد قاتل سے قصاص نہیں لیا جا سکتا۔[۲]

سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا ہے:

وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِيِّهٖ سُلۡطٰنًا فَلَا يُسۡرِفۡ فِّى الۡقَتۡلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنۡصُوۡرًا. (۱۷:۳۳)

''اور تم اس جان کو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے، کسی حق کے بغیر قتل نہ کرو۔ اور جس شخص کو ظلماً قتل کر دیا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو پورا پورا اختیار دیا ہے، اس لیے وہ (قاتل کو) قتل کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرے، کیونکہ بے شک (انتقام لینے میں) اس کی مدد کی گئی ہے۔''

یہاں 'فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِيِّهٖ سُلۡطٰنًا' کے الفاظ سے فقہا یہ استدلال کرتے ہیں کہ قصاص لینے یا نہ لینے کے معاملے میں 'سلطان'، یعنی حتمی اور فیصلہ کن اختیار مقتول کے ولی ہی کو حاصل ہے۔[۳]

اس کے بالمقابل قصاص کے استیفا یا اسقاط کے معاملے میں ریاست کو فیصلہ کن اتھارٹی قرار دینے والے اہل علم کا استدلال یہ ہے کہ قرآن مجید نے 'يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِصَاصُ فِى الۡقَتۡلٰى' اور 'مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا' کے الفاظ سے یہ واضح کر دیا ہے کہ قتل دراصل ایک فرد کی جان کے خلاف نہیں، بلکہ پورے معاشرے کے خلاف جرم کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا قصاص لینا بحیثیت مجموعی پورے معاشرے پر لازم ہے۔ چونکہ معاشرہ اپنی ذمہ داریاں نظم اجتماعی کی وساطت سے

۲؎ الشافعی، الام ۵/۱۰، ۱۴۔

۳؎ الشیبانی، الحجۃ علیٰ اہل المدینہ ۴/ ۳۸۲۔ طبری، جامع البیان ۲/ ۱۱۴۔

انجام دیتا ہے، اس لیے قتل کے مقدمات میں قاتل کو کیفر کردار تک پہنچانا صرف مقتول کے ورثا کا حق نہیں، بلکہ نظم اجتماعی کی ذمہ داری بھی ہے[۴]۔

ہماری راے میں یہ دونوں نقطہ ہاے نظر اپنے اپنے محل میں وزن رکھتے ہیں اور دونوں میں کوئی ایسا تضاد نہیں جو توفیق وتطبیق کو قبول نہ کرتا ہو، بلکہ قرآن وسنت کا منشا غالباً ان دونوں کی تلفیق (synthesis) سے زیادہ بہتر طور پر متعین کیا جاسکتا ہے۔ یہاں ہم ان دونوں نقطہ ہاے نظر کے استدلال کا جائزہ لیتے ہوئے اس ضمن میں اپنی راے کی وضاحت کریں گے۔

جمہور فقہا کا موقف ہمارے نزدیک اس حد تک بہت مضبوط ہے کہ قاتل سے قصاص لینے یا نہ لینے میں مقتول کے اولیا کے فیصلے کی بڑی اہمیت ہے اور ان کی طرف سے معافی کے فیصلے کو عمومی حالات میں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ شریعت میں قصاص سے دست بردار ہونے اور مجرم کو معاف کر دینے کی عمومی ترغیب دی گئی ہے جس کا مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ ان کے معاف کر دینے سے قاتل کی جان بخشی ہو جائے۔ اس ضمن میں 'فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ' کے علاوہ سورۂ مائدہ (۵) کی آیت ۴۵ میں 'فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ' (پھر جو اپنے قصاص کو معاف کر دے تو یہ اس کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے گا) کے الفاظ بھی یہی تاثر دیتے ہیں کہ اولیاے مقتول کی طرف سے معافی ہی اسقاط قصاص کے لیے موثر سمجھی جا رہی ہے، اس لیے کہ مقتول یا اس کے وارثوں کی طرف سے حق قصاص معاف کر دیے جانے کی صورت میں ان کے گناہوں کی بخشش ظاہر ہے کہ اسی صورت میں بامعنی ہو سکتی ہے جب ان کے معاف کرنے پر مقتول کی جان بخشی ہو جائے۔ اگر ان کی معافی اس معاملے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی تو کلام کا متبادر مفہوم اور اس کا سارا زور بالکل مجروح ہو جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں کہ عمومی حالات میں قصاص یا دیت کے انتخاب میں مقتول کے ورثا کی رضا مندی ہی بنیادی اہمیت رکھتی ہے:

ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اصيب بقتل او خبل فانه يختار احدى ثلاث: اما انيقتص و اما ان يعفو و اما ان ياخذ الدية فان اراد الرابعة	''جس کا کوئی عزیز قتل ہو گیا ہو، وہ تین طریقوں میں سے کوئی بھی طریقہ اختیار کر سکتا ہے: یا تو وہ قصاص لے لے یا معاف کر دے اور یا دیت لے لے۔ پھر

---

[۴] عمر احمد عثمانی، فقہ القرآن: حدود وتعزیرات اور قصاص ۲۶۳-۲۶۹، ۳۲۰-۳۳۱۔

فخذوا على يديه ومن اعتدى بعد ذلك فله عذاب اليم. (ابوداؤد، رقم ۳۸۹۸)

اگر وہ کوئی چوتھا راستہ اختیار کرنا چاہے تو اس کے ہاتھوں کو پکڑ لو (اور آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی) اور جو اس کے بعد بھی حد سے تجاوز کرے، اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

من قتل مومنًا متعمدًا دفع الی اولیاء المقتول فان شاء وا قتلوا وان شاء وا اخذوا الدیة. (ترمذی، رقم ۱۳۰۸)

''جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کر دے، اسے مقتول کے اولیا کے سپرد کر دیا جائے۔ وہ چاہیں تو اسے قتل کر دیں اور چاہیں تو دیت لے لیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی یہی بیان ہوا ہے کہ آپ قصاص کے ہر مقدمے میں اولیاے مقتول کو معافی کی تلقین فرماتے تھے[5]۔

ان وجوہ سے قصاص کی معافی کے سلسلے میں اولیا کے فیصلے کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہماری رائے میں شرعی نصوص سے اولیاے مقتول کی معافی کے موثر قرار پانے کا جو تاثر سامنے آتا ہے، وہ بڑی حکمت پر مبنی ہے۔ اس سے مقتول کے اولیا کو لاحق ہونے والے نقصان کی کسی حد تک تلافی کا امکان پیدا ہو جاتا ہے، ایک مزید انسانی جان کو تلف ہونے سے بچایا جا سکتا ہے اور فریقین کے مابین انتقام در انتقام کے سلسلے کو روکنے میں مدد ملتی ہے۔ چنانچہ اس حکمت کو عمومی حالات میں برقرار رہنا چاہیے، البتہ اس ضمن میں معاشرے اور اس کے نظم اجتماعی کو بالکل بے اختیار قرار دینا بھی درست نہیں اور اگر عدالت کسی موقع پر یہ محسوس کرے کہ قاتل کے لیے معافی کا فیصلہ عدل وانصاف کے

---

[5] نسائی، رقم ۴۷۰۲۔

یہاں یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے کوئی قانونی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے اور کیا عدالت کو قتل کے مقدمات میں اصلاً صلح صفائی ہی کی کوشش کرنی چاہیے؟ اس سوال کے جواب میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم محض ایک غیر جانب دار قاضی نہیں تھے، بلکہ خدا کے پیغمبر، مصلح معاشرہ اور معلم اخلاق بھی تھے اور آپ کے طرز عمل اور فیصلوں میں آپ کی یہ مختلف حیثیتیں بیش تر اوقات یکجا ہو جاتی تھیں، لہٰذا اولیاے مقتول کو معافی پر آمادہ کرنے کے واقعات سے ریاست کے لیے کوئی قانونی حکم یا ضابطہ اخذ کرنے کے بجاے ان کی درست تر توجیہ یہ ہوگی کہ چونکہ شریعت میں عفو و درگذر کی بہت تاکید آئی ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حاکمانہ منصب کے لحاظ سے نہیں، بلکہ اپنی حیثیت نبوی میں اولیاے مقتول کو معافی کا اعلیٰ اخلاقی رویہ اپنانے پر رضامند کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

اصولوں سے ہٹ کر کیا گیا ہے یا اس کو قبول کرنا مصلحت عامہ کے منافی ہے تو اسے اپنے صواب دیدی اختیار کو استعمال کرتے ہوئے قاتل سے قصاص لینے کا حق حاصل ہونا چاہیے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قتل محض ایک فرد کی جان لے لینے کا معاملہ نہیں، بلکہ انسانی معاشرے کی بقا اور تسلسل کی اصل بنیاد، یعنی انسانی جان کے تحفظ کو منہدم کر دینے کے مترادف ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں قصاص و دیت سے متعلق ہدایات کا آغاز پورے معاشرے کو، جس کی نمایندگی نظم اجتماعی کرتا ہے، قصاص کے حکم کا مخاطب بنانے سے ہوا ہے، جبکہ حکم کے آخر میں 'وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ' کے الفاظ میں قصاص کی اصل حکمت یہ بتائی گئی ہے کہ معاشرے میں زندگی کے حق کا تحفظ اس کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ دونوں باتیں اس نکتے کو واضح کرتی ہیں کہ قصاص محض قاتل اور مقتول کا باہمی معاملہ نہیں، بلکہ قتل کے مقدمات میں مقتول کے اولیا کے ساتھ ساتھ نظم اجتماعی بھی ایک باقاعدہ فریق کی حیثیت رکھتا ہے اور قاتل سے قصاص کو ساقط کرنے کے لیے اولیاے مقتول کے علاوہ نظم اجتماعی کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ چنانچہ اگر کسی مقدمے میں اولیاے مقتول اسقاط قصاص پر رضامند ہوں، جبکہ ریاست اس معافی کو مصلحت عامہ کے منافی اور قاتل سے قصاص لینے کو قانون وانصاف کے زاویے سے ضروری تصور کرتی ہو تو وہ اولیا کے معاف کرنے کے باوجود قصاص لے سکتی ہے۔

اس بنیادی نکتے کی روشنی میں، نصوص میں اولیاے مقتول کے معاف کر دینے پر قاتل سے قصاص کو ساقط کر دینے کی جس صورت کا ذکر ہوا ہے، اس کو عدالتی توثیق کی شرط کے ساتھ مشروط کرنے کی پوری گنجایش موجود ہے اور فقہا کے ہاں نصوص کی تعبیر کا یہ طریقہ مسلم ہے کہ اگر نقلی یا قیاسی وعقلی دلائل کسی حکم میں کوئی مخصوص قید یا شرط عائد کرنے کا تقاضا کریں تو نصوص کے ظاہر الفاظ کو ان کے اطلاق پر نہیں رکھا جاتا، بلکہ اس شرط یا قید کے ساتھ مقید کر دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر فقہاے احناف کا موقف یہ ہے کہ قصاص کی معافی کی صورت میں مقتول کے وارث کے لیے دیت کا اختیار اس بات سے مشروط ہے کہ خود قاتل بھی دیت دینے پر رضامند ہو۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہو تو اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا اور اس صورت میں اس سے قصاص ہی لیا جائے گا۔ جصاص نے اس قید کے حق میں یہ استدلال کیا ہے کہ قرآن کی رو سے قتل کی صورت میں اصل چیز 'قصاص' ہے، اور اس سے مختلف صورت تبھی اختیار کی جا سکتی ہے جب معاملے کے سارے فریق جن میں خود قاتل بھی شامل ہے، اس پر رضامند ہوں۔ چنانچہ جصاص کی رائے میں 'فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ' کا حکم اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ مقتول کے وارث کی طرف سے معافی کی صورت میں خود قاتل بھی دیت کی ادائیگی پر رضامند ہو، ورنہ اسے دیت کی ادائیگی پر مجبور نہیں کیا

جا سکتا اور اس سے قصاص ہی لیا جائے گا۔[6] اس رائے سے اتفاق ضروری نہیں، تاہم اس میں جس اصول کو برتا گیا ہے، وہ بجاے خود درست ہے اور اسی کی روشنی میں زیر بحث مسئلے میں 'فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ' میں یہ قید لگانا خلاف اصول نہیں ہوگا کہ مقتول کے وارثوں کی معافی اسی صورت میں معتبر ہوگی جب عدالت قانون وانصاف اور معاشرتی مفاد کے وسیع تر تناظر میں اس پر کوئی تحفظات نہ رکھتی ہو۔

یہاں سورۂ بقرہ اور سورۂ بنی اسرائیل کی زیر بحث آیتوں کے مدعا اور مفہوم اور ان کے اصل رخ کو واضح کرنا بھی مناسب ہوگا تاکہ اولیاے مقتول کی معافی کو ریاستی اور عدالتی توثیق کے ساتھ مشروط کرنے کی گنجایش زبان و بیان کے پہلو سے پوری طرح واضح ہو سکے۔

سورۂ بقرہ کی زیر بحث آیت میں معاملے کے دو فریقوں کو مخاطب بناتے ہوئے ان کی اخلاقی اور شرعی ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ آیت کے پہلے حصے میں اہل ایمان کو بتایا گیا ہے کہ قتل کا قصاص لینا بحیثیت مجموعی اہل ایمان کی پوری جماعت کی ذمہ داری ہے۔ اس کے بعد واضح کیا گیا ہے کہ قصاص اسی فرد سے لینا جائز ہے جس نے قتل کا ارتکاب کیا ہو۔ نہ کسی آزاد کی جگہ غلام کو قتل کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی غلام کی جگہ آزاد کو۔ اسی طرح عورت نے قتل کیا ہو تو وہی مستوجب قتل ہوگی نہ کہ اس کی جگہ کوئی مرد دھر لیا جائے گا۔ آیت کے دوسرے حصے میں حکم کا رخ قاتل کی طرف مڑ گیا ہے اور اسے تلقین کی گئی ہے کہ اگر اولیاے مقتول کی طرف سے اس کے لیے معافی کا فیصلہ ہو تو اسے ان کا احسان مانتے ہوئے معروف کے مطابق اس معاملے کی پیروی کرنی چاہیے اور دیت کی ادائیگی میں شریفانہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ کلام کے رخ سے چونکہ اس کا اصل مقصود واضح ہوتا ہے، اس لیے اس کو ملحوظ رکھنا زیر بحث نکتے کے حوالے سے بے حد اہم ہے۔ یہاں قانون اور عدالت کو مخاطب کر کے یہ نہیں کہا جا رہا کہ مقتول کا ولی اگر قاتل کو معاف کر دے تو اب دیت کے سوا کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا جا سکتا، بلکہ قاتل سے کہا جا رہا ہے کہ اگر مقتول کا ولی اس کو معاف کر دے تو اسے دیت کی ادائیگی میں ٹال مٹول یا خست کا رویہ اپنانے اور اولیا کو تنگ کرنے کے بجاے پوری خوش اسلوبی سے یہ رقم انھیں ادا کر دینی چاہیے۔ کلام کا یہ رخ ملحوظ رہے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ آیت اسقاط قصاص کے معاملے میں اولیاے مقتول کی معافی کے حتمی اور فیصلہ کن ہونے پر کسی طرح بھی 'نص' کی حیثیت نہیں رکھتی، کیونکہ کلام کا اصل مدعا اس معافی کی قانونی وشرعی پوزیشن کو بیان کرنا نہیں، بلکہ قاتل کو اس اخلاقی رویے کی تلقین کرنا ہے جو اسے اس صورت میں لازماً اختیار کرنا چاہیے۔ اس ضمن میں مقتول کے ولی کے

---

6. جصاص، احکام القرآن ۱/۱۵۰۔

معاف کرنے کا ذکر اس لیے ہوا ہے کہ قصاص ساقط کرنے کے لیے اس کی رضامندی ضروری ہے اور عدالت محض یک طرفہ طور پر قاتل کو معاف کرنے کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ گویا اس آیت سے یہ تو اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اولیاے مقتول کی رضامندی کے بغیر قاتل کو معافی نہیں دی جا سکتی، لیکن سیاق کلام میں اس پر کوئی دلالت نہیں پائی جاتی کہ اولیا کے معاف کرنے کی صورت میں قصاص لازماً ساقط ہو جائے گا۔

بالفرض اگر اس حکم کا مخاطب ارباب حل وعقد ہی کو مانا جائے تو بھی 'فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ' کو قطعی طور پر وجوب ولزوم پر محمول نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل کے مقدمے میں اصل قانون قصاص کو قرار دیتے ہوئے اولیاے مقتول کی طرف سے معافی کی صورت میں دیت لینے کی اجازت کو 'تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ' فرمایا ہے اور تخفیف اور رعایت پر مبنی اس حکم کی نوعیت خود اس کا تقاضا کرتی ہے کہ اولیا کے معاف کر دینے کی صورت میں قاتل سے قصاص نہ لینا صرف جواز کے حد تک محدود ہو، نہ یہ کہ اس کے بعد قصاص کا اصل حکم کالعدم قرار پائے اور 'رخصت' اور 'اجازت' وجوب ولزوم کا درجہ حاصل کر لے۔ یہ پہلو اس تناظر میں بطور خاص قابل توجہ قرار پاتا ہے کہ تورات کے قانون کی رو سے قاتل سے قصاص ہی لیا جا سکتا تھا، جبکہ دیت لینے کی کوئی گنجایش نہیں رکھی گئی تھی۔ گنتی میں ہے:

''اور تم اس قاتل سے جو واجب القتل ہو، دیت نہ لینا، بلکہ وہ ضرور ہی مارا جائے۔...سو تم اس ملک کو جہاں تم رہو گے ناپاک نہ کرنا، کیونکہ خون ملک کو ناپاک کر دیتا ہے اور اس ملک کے لیے جس میں خون بہایا جائے، سوا قاتل کے خون کے اور کسی چیز کا کفارہ نہیں لیا جا سکتا۔'' (۳۵: ۳۱، ۳۳)

جہاں تک سورۂ بنی اسرائیل (۱۷) کی آیت ۳۳ میں 'فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا' کے الفاظ کا تعلق ہے تو وہ سرے سے معاملے کے زیر بحث پہلو سے تعرض ہی نہیں کرتے۔ اس آیت میں مقتول کے ولی کے لیے جس 'سلطان' اور اختیار کا ذکر ہوا ہے، وہ قصاص معاف کرنے کا نہیں، بلکہ قصاص لینے کا اختیار ہے۔ آیت کا واضح مدعا یہ ہے کہ چونکہ مقتول کے وارث کو انتقام لینے کا پورا پورا حق دیا گیا اور اس میں معاشرہ اور قانون پوری طرح اس کی مدد کرنے کے پابند ٹھہرائے گئے ہیں، اس لیے وہ بھی اپنے اس حق کے استیفا کے لیے اخلاقی وقانونی حدود کی پاس داری کرے اور انتقام لینے میں ان حدود سے تجاوز کا طریقہ اختیار نہ کرے۔ چنانچہ اس آیت کا قاتل کو معاف کرنے میں اولیاے مقتول کے فیصلے کے حتمی ہونے یا نہ ہونے سے سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ مزید براں یہ آیت مکی دور سے متعلق ہے، جہاں کسی باقاعدہ ریاستی نظم کا وجود نہیں تھا اور کسی مقتول کا قصاص لینا اصلاً اس کے ورثا اور اہل قبیلہ ہی کا حق اور ان کی

ذمہ داری سمجھا جاتا تھا، اس لیے اس سے اس صورت حال کے لیے کوئی حکم اخذ نہیں کیا جا سکتا جب ایک باقاعدہ ریاستی نظم وجود میں آ چکا ہو اور 'کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى' کے تحت قصاص کی ذمہ داری اصلاً نظم ریاست سے متعلق ہو چکی ہو۔

نص میں موجود مذکورہ قرائن کے علاوہ 'قصاص' کو اصلاً مقتول کے ورثا کا حق قرار دے کر ریاست اور معاشرے کو اس معاملے میں بے اختیار قرار دینے کا موقف فقہی اصولوں کی رو سے بھی محل نظر ہے، اس لیے کہ کسی بھی معاشرتی جرم کا ارتکاب اصلاً اور براہ راست کسی فرد کے خلاف ہی کیوں نہ کیا گیا ہو، اس کے اثرات ونتائج فرد کی ذات سے بڑھ کر معاشرے تک متعدی ہو جاتے ہیں اور ان کے خلاف مدعی بھی صرف براہ راست متاثر ہونے والا فرد نہیں، بلکہ پورا معاشرہ ہوتا ہے جس کی نمایندگی نظم اجتماعی کی سطح پر حکومت کرتی ہے۔ مثال کے طور پر چوری کے جرم میں کسی مخصوص فرد کو اس کے مال سے ناحق طریقے سے محروم کیا جاتا ہے، تاہم وسیع تر تناظر میں یہ جرم معاشرے میں مال کے تحفظ کے احساس کو بھی عمومی طور پر مجروح کرتا ہے اور اگر اس پر سزا نہ دی جائے تو دوسرے لوگوں کو بھی یہ راستہ اختیار کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ اس پہلو سے یہ جرم صرف فرد کے خلاف نہیں، بلکہ معاشرے کے خلاف بھی ایک جرم ہے اور جمہور فقہا بجا طور پر یہ قرار دیتے ہیں کہ اگرچہ چوری کا مقدمہ درج ہونے سے پہلے مال مسروقہ کے مالک اور چور کے مابین باہمی مصالحت یا معافی کی گنجایش موجود ہے، لیکن مقدمہ عدالت میں پیش ہو جانے کے بعد یہ صاحب حق اور چور کا باہمی معاملہ نہیں رہ جاتا اور عدالت مالک کی طرف سے معاف کیے جانے کے باوجود چور پر سزا کے نفاذ کی مکلّف ہے۔ یہی معاملہ قذف کا ہے جو بدیہی طور پر کسی مخصوص فرد کی آبرو کے خلاف تجاوز ہے، تاہم فقہاے حنفیہ اس کو معاشرے میں لوگوں کی عزت وآبرو کے تحفظ کے عمومی تناظر میں دیکھتے ہوئے یہ قرار دیتے ہیں کہ صاحب حق کو یہ اختیار نہیں کہ وہ قاذف کو معاف یا سزا سے بری کر دے یا اس کے بدلے میں کوئی مالی معاوضہ وصول کر لے۔[۷]

اس تناظر میں قصاص کے معاملے کو بھی محض دو افراد کا باہمی معاملہ قرار دے کر ریاست اور عدالت کو اس سے قطعاً لاتعلق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انسانی جان ظاہر ہے کہ مال کے مقابلے میں زیادہ محترم ہے، اس وجہ سے قتل کا جرم بھی بدیہی طور پر زیادہ سنگین اور اس کی سزا بھی زیادہ سخت ہے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ کسی فرد کا قتل صرف ایک انسان یا اس کے قریبی اعزہ کے خلاف تعدی نہیں ہوتا، بلکہ اپنے اثرات کے لحاظ سے معاشرے کے پورے نظم کے خلاف

---

[۷] کاسانی، بدائع الصنائع ۷/ ۵۶۔

بھی ایک اقدام ہوتا ہے۔ جب چوری اور قذف جیسے کم تر جرائم میں معاشرہ ایک باقاعدہ اور غالب حق رکھنے والے فریق کی حیثیت رکھتا ہے اور صاحب حق کی طرف سے معافی کے باوجود عدالت سزا کے نفاذ کی پابند قرار پاتی یا کم از کم اس کا اختیار رکھتی ہے تو قصاص کے معاملے کو، جسے اللہ تعالیٰ نے معاشرے میں زندگی کے تحفظ کی ضمانت قرار دیتے ہوئے پورے معاشرے کو قصاص کا نظام قائم کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا اور اولیاے مقتول کی طرف سے دعوے کا انتظار کرنے کے بجائے نظم اجتماعی کو از خود قاتل کے خلاف اقدام کا حکم دیا ہے، کیونکر قاتل اور مقتول کا باہمی معاملہ قرار دے کر معافی کا کلی اختیار اولیاے مقتول کے ہاتھ میں دیا جا سکتا ہے؟ مزید یہ کہ کسی شخص کے قتل کی صورت میں اس کے ورثا اور معاشرے کا نظم اجتماعی، دو الگ الگ جہتوں سے قصاص کا استحقاق رکھتے ہیں۔ ورثا کو حق قصاص اس جذبۂ انتقام کی تسکین کے لیے دیا گیا ہے جو انسان میں جبلی طور پر پایا جاتا ہے، جبکہ ریاست کسی جذباتی پہلو سے نہیں، بلکہ معاشرے میں انسانی زندگی کے تحفظ کی ذمہ دار ہونے کے ناتے سے قصاص لینے کی حق دار ہے۔ چنانچہ ایک جہت سے قائم ہونے والا حق ساقط ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک دوسری جہت سے ثابت ہونے والا حق بھی کالعدم قرار پائے۔[8] چنانچہ معاملے کے اسی پہلو کے پیش نظر حنفی اور مالکی فقہا نے کم از کم یہ بات ضرور تسلیم کی ہے اور ماوردی اور ابو یعلیٰ نے بھی اس رائے کے حق میں رجحان ظاہر کیا ہے کہ ورثا کی طرف سے معافی کے باوجود عدالت کو مناسب تعزیری سزا کا اختیار حاصل رہے گا،[9] جبکہ ''فقہ السنہ'' کے مصنف السید سابق نے اس موقف کی تعبیر یوں کی ہے کہ اگر قاتل 'معروف بالشر' یعنی کوئی نامی گرامی مجرم ہو یا قاضی اس کو سزا دینے میں مصلحت سمجھے تو وہ قید یا قتل کی صورت میں اسے سزا دے سکتا ہے۔[10]

---

۸ اس نکتے کو واضح کرنے کے لیے اس فقہی جزیئے کا حوالہ دینا شاید کسی حد تک مناسب ہو کہ اگر کوئی شخص قتل خطا کا نشانہ بن جائے اور مرنے سے پہلے اپنی دیت قاتل کو معاف کر دے تو جمہور فقہا کے نزدیک یہ معافی دیت کے ایک تہائی حصے کی حد تک ہی موثر ہوگی، جبکہ پوری دیت کی معافی کے لیے مقتول کے ورثا کی رضامندی شرط ہوگی (مصنف عبد الرزاق، رقم ۱۸۲۰۵-۱۸۲۰۶۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد ۳۰۲/۲) اس رائے سے اتفاق ضروری نہیں، تاہم دیکھ لیجیے کہ دیت اصلاً مقتول کی جان کا عوض ہے، لیکن فقہا کے نزدیک چونکہ مقتول کی موت کا امکان غالب ہونے کے باعث اس پر ورثا کا حق بھی ایک پہلو سے قائم ہو چکا ہے، اس لیے وہ ان کی رضامندی کے بغیر خود مقتول کو بھی اپنی دیت کلیتاً معاف کر دینے کا اختیار نہیں دیتے۔

۹ عبد الرحمٰن الجزیری، الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱۹۶/۵۔ وہبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲۹۱/۶-۲۹۲۔

۱۰ فقہ السنہ ۲۰/۳۔

جلیل القدر مالکی فقیہ قاضی ابوبکر ابن العربی نے لکھا ہے کہ اگرچہ اصولی طور پر قصاص کو چوری اور زنا وغیرہ کی سزاؤں کی طرح کسی ایک فرد کا نہیں، بلکہ بحیثیت مجموعی پورے معاشرے کا حق قرار دینا چاہیے، لیکن اگر قصاص کو اولیاے مقتول کے بجاے معاشرے کا حق قرار دیا جاتا تو قاتل کے لیے معافی کی گنجایش نہ رہتی، جبکہ شریعت اس کو معاف کر دینے کو پسند کرتی ہے[۱۱]۔ ہماری راے میں ابن العربی کا بیان کردہ یہ نکتہ بالکل درست ہے، تاہم اس کے ساتھ یہ بات بھی درست ہے کہ شریعت کو قاتل کی معافی انفرادی اخلاقیات کے دائرے میں مطلوب ہے نہ کہ قانون کے دائرے میں، ورنہ قاتل کو معاف کر دینے کو ہی شرعی طور پر لازم قرار دیا جاتا اور 'کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی' کے الفاظ میں نظم معاشرہ کو قصاص لینے کا پابند نہ کیا جاتا، البتہ یہ بات، جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں، اپنی جگہ درست ہے کہ شریعت نے انفرادی اخلاقیات کے دائرے میں اولیاے مقتول کو معافی کی جو ترغیب دی ہے، وہ یہی تقاضا کرتی ہے کہ عمومی حالات میں اس معافی کو قانونی دائرے میں بھی موثر سمجھا جائے۔

مذکورہ بحث سے واضح ہے کہ قصاص کو اصلاً معاشرے اور ریاست کا حق قرار دینے کے باب میں معاصر اہل علم کی راے، جبکہ قصاص کی معافی کی صورت میں اولیاے مقتول کے فیصلے کو بنیادی اہمیت دینے کا روایتی فقہی موقف، دونوں اپنی اپنی جگہ وزن رکھتے ہیں اور ہمارے ناقص فہم کے مطابق دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ قرآن مجید کا 'قصاص' کو پورے معاشرے کا ایک فرض قرار دے کر اس معاملے میں اولیاے مقتول کے فیصلے کو اہمیت دینا، ظاہر ہے کہ اس اعتماد پر مبنی ہے کہ وارث مقتول کے ساتھ اپنی قرابت اور وابستگی کی بنا پر اس کا قصاص لینے کا ایک فطری جذبہ رکھتا ہے اور وہ اس کے لیے پوری سرگرمی دکھائے گا جس سے قانون قصاص کو معاشرے میں زندہ رکھنے کا مقصد پوری طرح حاصل ہو جائے گا۔ شرعی نصوص میں اولیاے مقتول کے لیے اسقاط قصاص کے حق کا ذکر جس تناظر میں ہوا ہے، وہ اصلاً عمومی حالات میں قتل کی سادہ صورت ہے جس میں کسی دوسرے پہلو سے شناعت یا سنگینی کا کوئی اضافی پہلو نہ پایا جاتا ہو اور جس میں قاتل کو معافی دینا قانون کے عمومی اصولوں اور معاشرتی مصلحتوں کے منافی نہ ہو۔ اگر کوئی بھی ایسی اضافی وجہ پائی جائے جو قاتل کو معافی کی اس رعایت سے محروم کرنے کا تقاضا کرتی ہو تو یقیناً اولیا کی دی گئی معافی کو غیر موثر قرار دیا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر ورثا کسی دباؤ، جبر یا خوف کی بنا پر قصاص کے حق سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کریں تو ان کی معافی کو غیر موثر قرار دینا چاہیے۔ یہ بات کہ عدالت کو اولیا کے اعلان معافی کے بارے میں یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کسی

۱۱؎ ابن العربی، احکام القرآن ۱۲۰۶/۳-۱۲۰۷۔

دباؤ یا جبر کے تحت تو نہیں کیا گیا، نہ صرف معقول ہے، بلکہ بعض آ ثار سے بھی ثابت ہے۔ سیدنا علی نے ایک ذمی کے قتل کے مقدمے میں مسلمان قاتل کو قتل کرنے کا حکم دیا تو مقتول کے بھائی نے حاضر ہو کر ان سے کہا کہ میں نے اس کو معاف کر دیا ہے۔ امیر المومنین نے کہا کہ شاید ان لوگوں نے تمھیں ڈرایا دھمکایا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ قاتل کو قتل کر دینے سے میرا بھائی واپس نہیں آ جائے گا، جبکہ ان لوگوں نے مجھے دیت دینے کی پیش کش کی ہے جس پر میں راضی ہوں۔ سیدنا علی نے فرمایا: اچھا پھر تم جانو۔[12]

ورثا اگر سرے سے مقتول کے معاملے میں دلچسپی ہی نہ رکھتے ہوں یا ان کی ہمدردی الٹا قاتل کے ساتھ وابستہ ہو جائے، جیسا کہ جاگیردارانہ نظام میں کاروکاری اور قتل غیرت کے معاملات میں بالعموم ہوتا ہے تو انھیں حق قصاص سے محروم کر دینا بھی فقہی اصولوں کے خلاف نہیں ہوگا۔ اسی طرح یہ بھی غلط نہیں ہوگا کہ قتل کی جن صورتوں مثلاً، کاروکاری وغیرہ میں رسم ورواج ورثا کے مدعی بننے کی راہ میں حائل ہوں یا قاتل کے اثر ورسوخ کی وجہ سے ورثا کے، دباؤ میں آ کر صلح کر لینے کی عمومی صورت حال پائی جاتی ہو، ان کو سد ذریعہ کے اصول پر ناقابل صلح (non-compoundable) قرار دے دیا جائے۔ اس ضمن میں یہ ضابطہ بھی بنایا جا سکتا ہے کہ قتل کے ہر مقدمے میں عدالت اس امر کا جائزہ لے گی کہ آیا معافی کا فیصلہ ورثا کی آزادانہ رضامندی سے کیا گیا ہے؟ اور یہ کہ کہیں اس معافی کو قبول کرنے سے انصاف کے تقاضے اور معاشرے میں جان کے تحفظ کا حق تو مجروح نہیں ہوگا؟

عدالت جرم کی سنگینی اور شناعت کے پیش نظر بھی مجرم کو معافی کی صورت میں ملنے والی رعایت دینے سے انکار کر سکتی ہے۔ چنانچہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو وارث اپنے مقتول کی دیت لے لینے کے بعد قاتل کو قتل کرے گا، اس کے لیے معافی کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔[13] آپ سے بعض ایسے واقعات بھی منقول ہیں جن میں آپ نے، اپنے عام معمول کے برعکس، جرم کی سنگینی کے پیش نظر قاتل سے قصاص لینا ہی پسند کیا اور اولیاے مقتول سے رسماً بھی نہیں پوچھا کہ آیا وہ قاتل کو معاف کرنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ مثال کے طور پر حارث بن سوید نے زمانۂ جاہلیت میں قتل ہونے والے اپنے والد کا بدلہ لینے کے لیے غزوۂ احد کے موقع پر دھوکے سے اپنے والد کے قاتل مجذر بن زیاد کو قتل کر دیا جو اس وقت مسلمان ہو چکے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے سے اس کی اطلاع ملی تو آپ نے حارث کی آہ وزاری اور فریاد اور عذر معذرت کے باوجود اسے

---

[12] بیہقی، السنن الکبریٰ، رقم ۱۲۷۱۵۔

[13] ابوداؤد، رقم ۳۹۰۸۔

قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ اس موقع پر مجذر کے اولیا موجود تھے، لیکن آپ نے اس معاملے میں ان سے کوئی گفتگو نہیں کی۔[14] اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر جن اشخاص کے بارے میں متعین طور پر یہ حکم دیا تھا کہ وہ اگر کعبے کے غلاف کے ساتھ بھی چمٹے ہوئے ہوں تو انھیں قتل کر دیا جائے، ان میں ایک مقیس بن صبابہ بھی تھا جس کا جرم یہ تھا کہ اس نے مدینہ منورہ آ کر اسلام قبول کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطالبے پر اسے اس کے مقتول بھائی کی دیت دلوائی، لیکن اس نے اپنے بھائی کے قاتل سے دیت وصول کرنے کے بعد اسے قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلا آیا۔[15] قرائن سے واضح ہے کہ مقیس کو ان افراد میں شمار کرنے کی وجہ محض اس کا مرتد ہو جانا نہیں، بلکہ اس کا مذکورہ جرم تھا۔ قتادہ اور عکرمہ سے منقول ہے کہ وہ قاتل سے دیت لینے کے بعد اسے قتل کرنے والے کے لیے معافی کے قائل نہیں تھے،[16] جبکہ ابن جریج اور عمر بن عبد العزیز سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص جارح سے قصاص یا دیت لے لینے کے بعد اس پر زیادتی کرے تو اسے معاف کرنے کا حتمی اختیار صاحب حق یا اس کے اولیا کو نہیں، بلکہ حکمران کو ہوگا۔[17]

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص گلا گھونٹ کر کسی کو قتل کرنے کا بار بار مرتکب ہو تو اس کے لیے معافی کی گنجایش ختم ہو جائے گی اور اسے قتل کرنا لازم ہوگا۔[18] اسحاق بن راہویہ اور فقہاے مالکیہ کا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو دھوکے سے کسی ویران جگہ پر لے جا کر قتل کر دے تو اس صورت کے حرابہ کے تحت آ جانے کی وجہ سے حق قصاص ریاست سے متعلق ہو جائے گا اور ورثا کو معافی کا اختیار نہیں ہوگا۔[19] فقہاے شافعیہ یہ قرار دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسلمانوں کے حکمران کو قتل کر دے تو اس کے لیے معافی کی کوئی گنجایش نہیں اور اسے لازماً قتل کیا جائے گا۔[20]

مذکورہ تمام آرا جرم کی سنگینی کے تناظر میں معافی کے امکان کو کالعدم قرار دینے کی مثال ہیں۔ ہماری رائے میں

۱۴؎ بیہقی، السنن الکبریٰ، رقم ۱۵۸۳۰۔

۱۵؎ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ۴/ ۲۵۶-۲۵۷۔ ۵/ ۷۱۔

۱۶؎ جصاص، احکام القرآن ۱/ ۱۱۵۱۔ طبری، جامع البیان ۲/ ۱۱۲۔

۱۷؎ مصنف عبد الرزاق، رقم ۱۸۲۰۴۔ طبری، جامع البیان ۲/ ۱۱۳۔

۱۸؎ الماوردی، الحاوی الکبیر ۱۲/ ۳۸۔

۱۹؎ مسائل الامام احمد بن حنبل واسحاق بن راہویہ ۲/ ۲۳۰، ۲۷۲۔ حاشیہ الدسوقی ۴/ ۲۳۸۔ وہبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۲۷۲۔

۲۰؎ الماوردی، الحاوی الکبیر ۱۲/ ۱۰۳۔

سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کسی شخص کی جان لے لینا، جتھے کی صورت میں کسی آدمی پر حملہ آور ہو کر اسے قتل کر ڈالنا، آگ لگا کر یا تیزاب ڈال کر ہلاک کرنا، خونخوار درندے کو کسی شخص پر چھوڑ دینا، اذیت دے دے کر کسی کی جان لینا، معصوم بچے کو درندگی کا نشانہ بنانا، کوئی ناجائز مطالبہ پورا نہ کرنے یا اپنے جائز حق کو استعمال کرنے سے روکنے کے لیے کسی کی زندگی چھین لینا، بہت سے افراد کو اجتماعی طور پر موت کے گھاٹ اتار دینا یا قتل کی کوئی بھی دوسری پرتشدد شکلیں اختیار کرنا، سب اسی دائرے میں آنی چاہییں۔ اسی طرح ایک سے زیادہ مرتبہ قتل کے مرتکب کے لیے بھی یہی قانون بنایا جا سکتا ہے۔

امام شافعی نے بعض اہل علم کا یہ موقف نقل کیا ہے کہ اگر قاتل اور مقتول کے مابین کوئی ذاتی مخاصمت نہ پائی جاتی ہو اور قاتل نے کسی اور محرک کے تحت قتل کا ارتکاب کیا ہو تو ایسی صورت میں حق قصاص مقتول کے ولی کے بجائے حکومت کو حاصل ہوگا۔[۱۲] ہمارے نزدیک اجرتی قاتلوں یا کسی دوسرے کے ترغیب یا اشتعال دلانے پر کسی کو قتل کرنے والوں کے معاملے میں بھی اولیا کے حق معافی کو اسی اصول پر غیر موثر قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس ضمن میں یہ نکتہ بالخصوص ملحوظ رہنا چاہیے کہ قبائلی طرز زندگی کے خاتمے سے قرابت اور مراحمت کے اس تعلق میں جو قدیم معاشرت کی ایک امتیازی خصوصیت سمجھا جاتا ہے، بدیہی طور پر رخنہ پڑا ہے اور جدید معاشرے میں گوناگوں عوامل کے تحت قصاص اور انتقام کا جذبۂ محرکہ نسبتاً کمزور پڑ گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں ریاست کے تصور کے ارتقا کے ساتھ اس کے قانونی اختیارات بھی بڑھ گئے ہیں اور اسی تناسب سے شہریوں کے جان و مال کے تحفظ کے حوالے سے اس کی ذمہ داریاں بھی زیادہ ہو گئی ہیں۔ اس صورت حال میں قصاص کے قانون کو زندہ رکھنے کے لیے افراد کے بجائے ریاست کو زیادہ بنیادی کردار سونپنا اگر کوئی مفید اور نتیجہ خیز اقدام ثابت ہو سکتا ہے تو ایسا کرنا قانون کی علت یا حکمت کے منافی نہیں ہوگا، تاہم اس سارے معاملے میں حالات کی عملی صورت کو نظر انداز کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہوگا۔ کسی بھی معاشرے میں ریاست کو کوئی اختیار سونپنے سے پہلے اس امر کا اطمینان حاصل کرنا ضروری ہے کہ ریاستی مشینری اپنے اخلاص اور خدمت معاشرہ کے جذبے کے لحاظ سے اس ذمہ داری کو اٹھانے کی پوری اہلیت رکھتی ہے اور اس میں نظام انصاف قابل اعتماد صورت میں موجود ہے۔ بصورت دیگر ریاست کا حق قصاص الٹا بے گناہوں یا رعایت کے مستحق خطا کاروں پر زیادتی اور ان کی حق تلفی پر بھی منتج ہو سکتا ہے۔

---

[۱۲] الشافعی، الام ۴/ ۳۱۷۔

اولیاے مقتول کے، قصاص کو معاف کرنے کی بحث سے متعلق ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ کیا قاتل سے قصاص ساقط کرنے کے لیے تمام اولیا کا معافی پر متفق ہونا ضروری ہے یا ان میں سے کوئی ایک بھی معاف کر دے تو قصاص ساقط ہو جائے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نقل ہوا ہے کہ آپ نے ایک مقدمے میں اولیاے مقتول کو تلقین کی کہ ان میں سے سب سے قریبی تعلق رکھنے والا رشتہ دار قصاص کے حق سے دست بردار ہو جائے، چاہے وہ کوئی عورت ہی کیوں نہ ہو۔[22] بعض آثار کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مقدمے میں مقتول کے تین بھائیوں میں سے ایک بھائی کے معاف کر دینے کے باوجود قصاص دلانا چاہا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے اختلاف کیا اور کہا کہ کسی ایک وارث کے معاف کر دینے کے بعد قصاص نہیں لیا جا سکتا اور سیدنا عمر نے بھی ان سے اتفاق کر لیا۔[23] سیدنا عمر نے ایک اور واقعے میں، جس میں ایک شخص نے اپنی بیوی کے پاس کسی دوسرے مرد کو موجود پا کر بیوی کو قتل کر دیا تھا اور مقتولہ کے ایک بھائی نے اپنی بہن پر ناراض ہو کر اپنے حق قصاص سے دست برداری اختیار کر لی تھی، یہ فیصلہ کیا کہ سارے اولیا کو دیت ہی ملے گی۔[24]

جمہور فقہا نے ان واقعات سے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ اگر اولیا میں سے کوئی ایک بھی قصاص سے دست بردار ہو جائے تو قصاص نہیں لیا جا سکتا، تاہم مالکیہ کی رائے میں کسی ایک وارث کے معاف کر دینے سے باقی ورثا کا حق قصاص کالعدم قرار نہیں پاتا۔[25] ہماری رائے میں مالکیہ کی رائے وزنی ہے، جبکہ جمہور فقہا نے جن واقعات سے اس کے خلاف استدلال کیا ہے، ان کی اس سے مختلف تعبیر کا امکان موجود ہے۔ اس ضمن میں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ واقعات بدیہی طور پر کسی معاملے کے جملہ قانونی امکانات کا احاطہ نہیں کرتے، بلکہ ان میں عملاً وقوع پذیر ہونے والی کوئی مخصوص صورت زیر بحث ہوتی ہے۔ چنانچہ ان میں کیے جانے والے فیصلے بھی مخصوص صورت حال میں عائد ہونے والی شرائط وقیود ہی پر مبنی ہوتے ہیں۔ دوسری یہ کہ روایات میں کسی بھی مقدمے سے متعلق وہ تمام تفصیلات نقل کرنے کا بالعموم اہتمام نہیں کیا جاتا جو اس مقدمے میں کیے جانے والے فیصلے کی قانونی تفہیم کے حوالے سے ضروری ہوں۔ راوی اپنے اپنے فہم اور زاویۂ نگاہ سے بعض ظاہری پہلوؤں کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس سے بسا اوقات بعض

---

[22] ابوداؤد، رقم ۴۵۳۸۔

[23] بیہقی، السنن الکبریٰ، رقم ۱۵۸۵۳۔

[24] بیہقی، السنن الکبریٰ، رقم ۱۵۸۵۱۔

[25] الماوردی، الحاوی الکبیر ۱۲/۱۰۵۔

بے حد اہم اور فیصلے پر اثر انداز ہونے والی تفصیلات سامنے نہیں آ پاتیں، جبکہ بظاہر میسر تفصیلات کی بنیاد پر فیصلے کی اصل وجہ اور قانونی بنیاد کا تعین قطعی طور پر ممکن نہیں ہوتا۔ ان وجوہ سے یہ بات فقہا کے ہاں کم و بیش مسلم ہے کہ واقعات اور مقدمات سے عمومی اصول یا ضابطے اخذ نہیں کیے جا سکتے، بلکہ وہ بجائے خود اس کے محتاج ہوتے ہیں کہ ان کی تعبیر و توجیہ وسیع تر قانونی اور عقلی اصولوں کے تحت کی جائے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ اس نوعیت کی تعبیر و توجیہ میں اختلاف کی گنجایش ہمیشہ موجود رہتی ہے۔

اس زاویے سے مذکورہ واقعات کا جائزہ لیا جائے تو اس بات کا پورا امکان موجود ہے کہ اسقاط قصاص کی اصل وجہ محض کسی ایک وارث کا حق قصاص سے دست بردار ہو جانا نہ ہو، بلکہ کچھ ایسے اضافی پہلو بھی موجود ہوں جن کا ذکر روایت میں نہیں کیا گیا۔ ان میں سے تیسری روایت میں، جس میں حضرت عمر کے، خاوند سے قصاص کو ساقط کر دینے کا ذکر ہے، اس کا ایک قرینہ بھی موجود ہے، اور وہ یہ کہ اس واقعے میں خاوند نے جس صورت حال میں، یعنی ایک غیر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ پا کر اشتعال کی حالت میں اس کو قتل کر دیا، وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بذات خود رعایت کا تقاضا کرتی ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر نے ایک دوسرے مقدمے میں، جس میں ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک دوسرے مرد کے ساتھ نامناسب حالت میں دیکھ کر اسے قتل کر دیا تھا، اپنے عامل کو ظاہری طور پر تو خاوند سے قصاص لینے کا حکم دیا، لیکن خفیہ طور پر اسے ہدایت کی کہ وہ دیت پر معاملہ طے کرانے کی کوشش کرے۔[۲۶] اس وجہ سے حتمی طور پر یہ کہنا ممکن نہیں کہ مذکورہ بالا واقعے میں خاوند سے قصاص کو ساقط کرنے کا فیصلہ مقتولہ کے بھائی کے معاف کر دینے ہی کی بنیاد پر کیا گیا تھا۔ اسی نوعیت کے احتمالات پہلی دو روایتوں میں بھی قیاس کیے جا سکتے ہیں۔

اس ضمن میں بعض روایات میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک استدلال نقل ہوا ہے جو تنقیح طلب ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

كانت النفس لهم جميعًا فلما عفى هذا احيا النفس فلا يستطيع ان ياخذ حقه يعني الذى لم يعف حتى ياخذ حق غيره. (الشیبانی، کتاب الآثار ۵۹۳)	''قاتل کی جان لینا ان سب کا حق تھا۔ پھر جب اس نے اس کو معاف کر دیا تو اسے زندگی بخش دی۔ پس جنھوں نے معاف نہیں کیا، وہ اپنا حق اس وقت تک نہیں لے سکتے جب تک کہ دوسرے کو اس کے حق سے محروم نہ کر دیں۔''

اگر بات کو نقل کرنے میں راویوں کی طرف سے کوئی نقص نہیں رہ گیا تو اس استدلال کی بظاہر دو صورتیں سمجھ میں

---

[۲۶] مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۷۸۸۵۔

آتی ہیں:

ایک یہ کہ قاتل کی جان لینا تمام ورثا کا حق تھا اور جب ان میں سے ایک نے معاف کر کے اسے زندگی کا حق دے دیا ہے تو اب قاتل کا زندہ رہنا معاف کرنے والے وارث کا حق بن گیا ہے۔ چنانچہ دوسرے ورثا کے لیے اس سے قصاص لینا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ وہ معاف کرنے والے کو اس کے حق، یعنی قاتل کے زندہ رہنے کے حق سے محروم کر دیں۔

اگر زیر بحث اثر کا مفہوم یہی ہے تو یہ استدلال اپنی ظاہری صورت میں کسی طرح بھی قابل فہم نہیں، اس لیے کہ قاتل سے قصاص لینے کو تو وارث کا حق قرار دینا سمجھ میں آتا ہے، لیکن یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ اس کا زندہ رہنا کیونکر معاف کرنے والے وارث کا حق قرار پا سکتا ہے؟ خود قاتل کو تو اپنے انسان ہونے کی بنا پر زندہ رہنے کا حق حاصل تھا جس سے اس نے اپنے آپ کو خود محروم کر لیا، لیکن اس کے بعد اگر کوئی وارث اپنے حق قصاص سے دست بردار ہو جائے تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ اب قاتل کا زندہ رہنا اس وارث کا حق بن گیا ہے؟ ان دونوں باتوں میں منطقی طور پر کوئی لزوم نہیں پایا جاتا۔

استدلال کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ اولیا میں سے کسی ایک کے معاف کرنے کی صورت میں معاف کرنے والا دیت میں اپنے حصے کا حق دار بن جاتا ہے جو ظاہر ہے کہ قاتل کو قصاص سے بری کرنے اور اس پر دیت عائد کرنے کی صورت ہی میں اسے مل سکتا ہے، اس وجہ سے معاف کرنے والے کو اس کا حصہ دینے کے لیے باقی اولیا کو بھی دیت پر آمادہ کرنا ایک مجبوری اور ضرورت کا درجہ اختیار کر لیتا ہے، تاہم اس پر یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ جب تک قصاص کا سقوط متحقق نہ ہو جائے، اس وقت تک دیت کی رقم پر کسی بھی وارث کا حق سرے سے قائم ہی نہیں ہوتا۔ گویا معاف کرنے والے وارث کا معاف کر دینا اس کو دیت کا حق دار نہیں بنا دیتا کہ اس نکتے کو اسقاط قصاص کی بنیاد بنایا جا سکے، بلکہ اس کو دیت کا حق دار قرار دینا بجائے خود اس کا محتاج ہے کہ اس سے پہلے قصاص کے سقوط کو ثابت مانا جائے۔

مزید براں اسی استدلال کو الٹ کر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ معاف کرنے والے کو اس کا حق اس کے بغیر نہیں مل سکتا کہ قصاص لینے کے خواہش مند دوسرے وارثوں کو ان کے حق قصاص سے محروم کیا جائے، اس لیے اس کی معافی کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی۔ یہ بات بدیہی ہے کہ ایک صاحب حق کے معاف کر دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے اصحاب حق کا حق بھی کالعدم ہو جائے۔ مثال کے طور پر اسی معاملے میں اگر ورثا دیت پر رضامندی ظاہر

کر دیں اور پھر ان میں سے بعض ورثا اپنے حصے کی رقم چھوڑ دیں تو باقی ورثا اس کے پابند نہیں ہوں گے کہ وہ بھی اپنے حصے سے دست بردار ہو جائیں۔ اور بالفرض ایک وارث کے معاف کر دینے کی صورت میں دیت کی رقم پر اس کا حق ثابت مان لیا جائے تو بھی دوسرے ورثا سے، جو حق قصاص پر اصرار کر رہے ہیں، یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا استیفاے حق چونکہ معاف کر دینے والے کے حق کو مجروح کیے بغیر ممکن نہیں، اس لیے اگر وہ قصاص ہی پر اصرار کرتے ہیں تو دیت پر رضا مندی ظاہر کرنے والے وارث کو اس کے حصے کی رقم ادا کر دیں۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک عورت کو قتل کر دیا تو سیدنا علی نے، جن کی رائے میں مرد اور عورت کی جان کی قیمت غالباً ایک جیسی نہیں تھی، مقتولہ کے اولیا سے کہا کہ وہ یا تو قاتل سے دیت لے لیں اور اگر قصاص لینا چاہتے ہیں تو آدھی دیت قاتل کے اہل خانہ کو ادا کر دیں۔[27] سیدنا علی ہی سے یہ فتویٰ منقول ہے کہ اگر مقتول کے دو ولی ہوں اور ان میں سے ایک قاتل کو معاف کر دے، جبکہ دوسرا قصاص لینا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے، البتہ اسے نصف دیت مقتول کے اولیا کو واپس کرنی ہوگی۔[28]

اس ضمن میں اس نکتے کو نظر انداز کرنا بھی کسی طرح مناسب نہیں ہوگا کہ قاتل کی معافی کو ورثا کی رضا مندی کے ساتھ مشروط کرنے کی بنیادی حکمت ہی یہ ہے کہ ان کے جذبۂ انتقام کو تسکین ملے اور بدلہ نہ لے سکنے کی صورت میں دشمنی اور عداوت کے جو جذبات دلوں میں پرورش پاتے رہتے ہیں، ان کے اثرات ونتائج سے بچا جا سکے۔ اب اگر صرف ایک وارث کے معاف کر دینے کی صورت میں قاتل سے قصاص کو ساقط قرار دیا جائے، جبکہ باقی اولیا انتقام لینے کی خواہش رکھتے ہوں تو ظاہر ہے کہ اس سے مذکورہ حکمت کسی طرح ملحوظ نہیں رہتی۔

[باقی]

۲۷؎ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۷۴۸۳۔

۲۸؎ الطّوسی، تہذیب الاحکام ۱۰/ ۱۷۷۔

محمد وسیم اختر مفتی

عمر فاروق رضی اللہ عنہ

[''سیر وسوانح'' کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

—— ۱۲ ——

سیرت وعہد

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مصر کے حالات سے مطلع کرتے رہتے تھے۔ ان کے خطوط سے حضرت عمر کو عیسائی پیشوا بن یامین کا مقام و مرتبہ معلوم ہوا تو ہدایت بھیجی کہ مصر کے سیاسی و انتظامی معاملات بہتر اور اطمینان بخش طور پر چلانے کے لیے بن یامین سے مشاورت مفید رہے گی۔ بن یامین نے بھی مشورہ دینے میں بخل سے کام نہ لیا۔ ان کا سجھاؤ تھا کہ لوگ اپنی فصل کاٹ لیں تو ان سے خراج وصول کیا جائے۔ مصر کی بند ہو جانے والی نہروں کو از سر نو کھدوا کر جاری کیا جائے اور ان کے پلوں کو مرمت کرایا جائے۔ ٹیکس کلکٹروں کی تنخواہیں بر وقت ادا کی جائیں تاکہ وہ رشوت پر آمادہ نہ ہوں۔ حضرت عمرو دریاے نیل کو بحر احمر سے ملانے والی نہر ٹراجن (Trajan) کھدوانے کی پلاننگ پہلے سے کر چکے تھے۔ یہ ہزاروں برس پہلے عہد فراعنہ میں نکالی گئی تھی۔ رومی بادشاہ ٹراجن (Trajan، اصل نام: Marcus Ulpius Nerva Trajanus، ۱۸ستمبر ۵۳ تا ۹ اگست ۱۱۷) نے اس کی اصلاح کرائی تو اسی کے نام سے موسوم ہو گئی۔ حضرت عمرو بن عاص نے ہزاروں مزدور بھرتی کر کے ایک سال سے بھی

کم عرصے میں قریباً ۱۰۰ کلو میٹر لمبی اس بے نشان ہو جانے والی نہر کو ازسرنو جاری کر دیا، اب اس کا نام نہر امیر المومنین ہو گیا۔

ابو الحسن قفطی (م ۶۴۶ھ/ ۱۲۴۸ء) نے اپنی کتاب ''اخبار العلما باخبار الحکما'' میں ایک قصہ بیان کیا ہے۔ ایک قبطی پیشوا حنا (یحییٰ نحوی) نے، جسے عیسائی علما نے تثلیث کا انکار کرنے کی وجہ سے اپنی کونسل سے خارج کر رکھا تھا، حضرت عمرو بن عاص سے کہا: اسکندریہ کے شاہی خزانوں میں ایک بڑا خزینہ اہل روم کی ۴۵ ہزار کتابوں پر مشتمل لائبریری ہے۔ اسے شاہ اسکندریہ بطلیموس دوم فلاڈلفس (Ptolemy II Philadelphus، ۳۰۹-۲۴۶ ق م) کے حکم پر زمیرہ نے جمع کیا تھا۔ فلسفہ وحکمت کی یہ کتابیں ہمیں سونپ دیجیے، آپ کے لیے تو یہ بے قیمت ہیں، لیکن ہمارے لیے بہت مفید رہیں گی۔ حضرت عمرو نے کہا: میں امیر المومنین حضرت عمر سے اجازت لیے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر کا جواب آیا: ان کتابوں میں جو کچھ کتاب اللہ کے موافق ہے، کتاب اللہ میں موجود ہونے کی وجہ سے اس کی ہمیں ضرورت نہیں اور جو قرآن کے مخالف ہے، اس سے ہمیں کیا لینا؟ انھیں تلف کر ڈالو۔ مورخ صاحب فرماتے ہیں: ان کتابوں کو اسکندریہ کے حماموں میں تقسیم کر دیا گیا جہاں یہ ۶ ماہ تک ایندھن کے طور پر استعمال ہوتی رہیں۔ اس واقعے کو بے شمار مستشرقین جھٹلا چکے ہیں۔ اس کا من گھڑت اور بے سروپا ہونا، اسی بات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ حنا (یحییٰ نحوی) مصر میں مسلمانوں کی آمد سے کئی سال قبل وفات پا چکا تھا اور مذکورہ کتب خانہ اس سے کہیں پہلے ۴۸ء میں بھسم ہو چکا تھا۔ جب رومی بادشاہ قیصر نے اسکندریہ کو تاراج کیا اور اس کی بندرگاہ اور نصف شہر کو جلا ڈالا۔ مسلمان آئے تو اس کتب خانے کے علاوہ دوسری تمام لائبریریاں بھی معدوم ہو چکی تھیں۔ بٹلر (Butler) کا کہنا ہے: انھیں عیسائیوں کی فرقہ دارانہ جنگوں نے اجاڑ دیا تھا۔

اب وہ مرحلہ آیا جب امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب اور فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص میں اختلافات نے جنم لیا۔ خلیفۂ ثانی کا تقاضا تھا کہ خراج کا ملاً مدینہ بھیجا جائے، جبکہ حضرت عمرو اس کا بیش تر حصہ مصر کی نہروں اور اس کے پلوں پر خرچ کرنا چاہتے تھے، کئی اور اصلاحات بھی ان کے پیش نظر تھیں۔ انھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط موصول ہوا کہ تم نے پچھلے سال بھیجے جانے والے خراج کا نصف بھی ادا نہیں کیا۔ قحط پڑا ہے نہ خشک سالی آئی ہے اور تم بہانے بنا رہے ہو۔ یقیناً تمھارے بد دیانت عمال ہی اس میں رکاوٹ بن رہے ہوں گے۔ حضرت عمرو کی وضاحت سے ان کی تسلی نہ ہوئی اور خراج فوراً ادا کرنے کا حکم لکھ بھیجا۔ حضرت عمرو نے بار بار مصر کی مقامی ضروریات کا عذر پیش کیا تو حضرت عمر نے حضرت محمد بن مسلمہ کو مصر بھیجا جنھوں نے مال فے وصول کیا۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ حضرت عمر

حضرت عمرو کو معزول کرنا چاہتے تھے کہ خود ان کی شہادت کا سانحہ پیش آ گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جزیرہ نماے عرب کو ایک سیاسی اکائی بنانا چاہتے تھے۔ان کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تھا: 'لا یترك بجزیرة العرب دینان'، ''دو دین (یہودیت و نصرانیت) جزیرۂ عرب میں نہ رہنے دیے جائیں۔'' (مسند احمد، رقم ۲۶۳۵۲) جس طرح انھوں نے خلافت سنبھالتے ہی نجران کے عیسائیوں کو عراق میں اور فدک و خیبر کے یہودیوں کو شام میں جا بسایا، ایسے ہی مرتدین پر مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو کر جہاد نہ کرنے کی پابندی ختم کر دی۔ سیدنا ابوبکر نے یہ پابندی اس لیے لگائی تھی، کیونکہ وہ اہل ردہ کی شورش فرو کرنے کے بعد ان پر فوری اعتماد نہ کر سکتے تھے۔ حضرت عمر نے اسے ہٹانا ضروری سمجھا، اس لیے کہ ان کے خیال میں اس سے مسلمانوں میں تفریق پیدا ہو سکتی تھی۔ جب ایک گروہ کو احساس ہو کہ اسے کم آزادی یا کم عزت ملی ہوئی ہے تو وہ وحدت کا حصہ نہیں بن سکتا۔ انھوں نے تمام عرب جنگی قیدیوں کو آزاد کر کے ان کے کنبوں میں واپس بھیجنے کا حکم بھی دیا۔ان کا منشا تھا کہ جزیرۂ عرب کے تمام باشندگان یکساں آزاد ہوں۔ وہ قومی نہیں، بلکہ اسلامی وحدت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ سیدنا عمر نے ہجرت نبوی کو اہم ترین واقعہ قرار دیتے ہوئے اسی سے اسلامی کیلنڈر کی ابتدا کی۔ یوں جاہلی کیلنڈر جو عام الفیل یا عربوں کی اہم جنگوں کے سن وقوع سے شروع ہوتے تھے اور ایرانی و رومی کیلنڈر پس منظر میں چلے گئے۔

کچی اینٹیں مسجد نبوی کی دیواریں اور کھجور کی چھالیں اس کی چھت تھیں۔ اپنی خلافت کے پہلے چار سال حضرت عمر نے مسجد میں ذرا بھی تبدیلی نہ کی۔ اسلامی مملکت کے وسعت اختیار کرنے سے مدینہ کے باشندوں کی تعداد بھی بڑھ گئی تو انھوں نے مسجد کو کشادہ کرنے کا حکم دیا۔ساتھ ساتھ کہتے جاتے کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہ سنا ہوتا: ''چاہیے کہ ہم اپنی مسجد کی گنجایش کچھ بڑھا لیں۔'' تو اسے ہرگز وسیع نہ کرتا۔ وہ مسجد ہی میں بیٹھ کر امور مملکت انجام دیتے، البتہ ان لوگوں کو منع کرتے جو مسجد میں بیٹھ کر گپ شپ یا شعر و شاعری کرتے۔ ایسی سرگرمیوں کے لیے انھوں نے مسجد کے باہر ایک جگہ مقرر کر دی جسے بطیحا کہا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں رہ کر تمام جنگوں کی خود پلاننگ کی، وہ اکثر اوقات فوجوں کی پوزیشن طے کرتے، میمنہ و میسرہ اور مقدمہ و قلب کے کمانڈروں کا تقرر کرتے اور جب فتح حاصل ہو جاتی تو محض والی مقرر کرنے پر اکتفا نہ کرتے، بلکہ شہر کے انتظام و انصرام کے متعلق ہدایات بھیجتے۔ انھوں نے مفتوحہ علاقوں میں پہلے سے رائج ایرانی و بازنطینی نظام ہاے مملکت کو اپنایا نہ عرب میں چلتا ہوا دیہی و شہری نظام ان پر مسلط کیا۔ اس باب میں والیوں کو چھوٹ تھی کہ وہ احکام اسلامی کی روشنی میں اپنے خطے کی ضروریات کے مطابق قواعد سلطنت خود ترتیب دیں۔ اس طرح

نوزائیدہ اسلامی مملکت نے ایک ریاست ہاے متحدہ کی صورت اختیار کر لی۔ دارالحکومت مدینہ میں وہی شورائی نظام جاری تھا جس پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا اور جس پر سیدنا ابوبکر کاربند رہے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت علی بن ابوطالب، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمان بن عوف خلیفۂ ثانی کی مجلس شوریٰ کے اہم ارکان تھے۔ کبھی 'اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ' کی ندا کے بعد شوریٰ عامہ منعقد ہوتی اور حضرت عمر عامۃ المسلمین کی آرا سے مستفید ہوتے۔ وہ ذہین نوجوانوں سے انفرادی مشورہ بھی کرتے۔ جنگ جسر (پل والی جنگ) میں حضرت ابوعبید ثقفی کی شہادت کے بعد اسلامی فوج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو امیرالمومنین نے عامۃ المسلمین سے مشورہ کیا۔ سب نے کہا: آپ خود عراق چلیں، ہم بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔ اہل شوریٰ میں سے حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمان بن عوف نے اس بات سے اختلاف کیا، ان کا کہنا تھا کہ امیرالمومنین کا مدینہ میں رہنا زیادہ ضروری ہے۔ اسی راے پر عمل ہوا۔ جب شام کے مقام عمواس میں طاعون کی وبا پھوٹی تو حضرت عمر شام ہی کے سفر پر تھے۔ وہ تبوک کے قریب واقع سرغ تک پہنچے تھے کہ اس وبا کی اطلاع ملی۔ انھوں نے موجود مہاجرین وانصار سے سفر جاری رکھنے کے بارے میں مشورہ کیا تو متضاد آرا سامنے آئیں۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے یہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سنایا: ''جب تم کسی شہر میں وبا پھیلنے کی خبر سنو تو وہاں کا رخ نہ کرو۔'' تو حضرت عمر نے اس پر عمل کا ارادہ کر لیا۔ انھوں نے ابوعبیدہ کے اعتراض 'أفراراً من قدر اللّٰہ' (کیا آپ تقدیر الٰہی سے بھاگ رہے ہیں؟) کے جواب میں کہا: ہاں، اللہ کی ایک تقدیر سے بھاگ کر دوسری تقدیر کی طرف جا رہا ہوں۔ حضرت عمر نے اپنے عمال کو بھی اہل راے سے مشورے کا پابند کیا۔

خلیفۂ دوم نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں (بنو ہاشم) کو سرکاری مناصب دینے سے گریز کیا، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ لوگ عام طور پر صاحب منصب سے ناراض ہی رہتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ رہی کہ وہ انھیں اپنی مشاورت کے لیے مدینہ میں مقیم رکھنا چاہتے تھے۔ شوریٰ حکومت کا اہم ادارہ تھی، اس طرح یہ اصحاب بھی اسلامی حکومت میں شامل رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وسیع اختیارات کے مالک تھے۔ وہ کتاب وسنت کی تعبیر کرتے، ان میں پائے جانے والے احکام نافذ کرتے، قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) ہونے کے علاوہ، وہ فوج کے سپریم کمانڈر بھی تھے۔ اتنی زبردست اتھارٹی نے ان میں اور فروتنی پیدا کر دی۔ ایک بار کاندھے پر مشک ڈھوئی اور کہا: میرے نفس میں کچھ غرور آ گیا تھا، اس لیے میں نے اسے ذلیل کیا۔ فرماتے تھے: مجھے رعیت کی حالت کی خبر کیسے ہو سکتی ہے، جب تک ان پر

آنے والی مصیبت مجھے بھی لاحق نہ ہو؟ اپنے آپ کو انتہائی غریب شخص کی جگہ رکھ کر اسے پیش آنے والی مشکلات کا اندازہ کرتے۔ قحط کا پورا سال انھوں نے چکنائی لی نہ گوشت کھایا، کیونکہ یہ عوام کو میسر نہ تھے۔ وہ لاغر ہو گئے اور رنگ سیاہ پڑ گیا، لوگوں کو اندیشہ ہو کہ حضرت عمر چل ہی نہ بسیں۔

امیر المومنین مدینہ پہنچنے والے مال غنیمت میں سے عام شہری جتنا حصہ وصول کرتے۔ ایک مرتبہ فرمایا: میرے لیے دو جوڑے ہی کافی ہیں، ایک سردیوں والا، ایک گرمیوں کے لیے، خوراک وہ ہو جو ایک عام قریشی کھاتا ہے، حج یا عمرہ کرنا ہو تو ایک سواری مل جائے۔ خدا کے مال میں میں اتنا تصرف ہی جائز سمجھتا ہوں جو مال یتیم میں روا ہوتا ہے، گنجایش ہوئی تو نہ لیا، ضرورت پڑی تو معروف کے مطابق لے لیا۔ ایک باران کے پاس کچھ یمنی چادریں آئیں، انھوں نے یہ اہل مدینہ میں بانٹ دیں۔ ہر شہری کو ایک چادر ملی، حضرت عمر کے حصے میں بھی ایک آئی۔ وہ خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو اس چادر سے سلی ہوئی قمیص پہن رکھی تھی۔ ایک شخص چلایا: عمر، ہم تمھاری بات سنیں گے، نہ مانیں گے۔ انھوں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: اس لیے کہ آپ نے یمنی چادروں میں سے اپنا حصہ زیادہ رکھا ہے۔ ہمیں ایک ایک ٹکڑا ملا ہے جس سے ہماری قمیص نہیں بن پائی اور آپ نے قمیص سلا لی۔ کیسے؟ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر نے وضاحت پیش کی کہ میں نے اپنا حصہ اپنے والد کو دے دیا ہے تو وہ شخص مانا اور کہا: اب سمع وطاعت ہو گی۔ خلیفۂ دوم بیمار پڑے تو طبیب نے شہد تجویز کیا، تب بیت المال میں ایک کپی سے زیادہ شہد نہ تھا۔ وہ منبر پر چڑھے اور حاضرین سے کہا: اگر آپ نے مجھے یہ شہد لینے کی اجازت دی تو میں استعمال کروں گا ورنہ یہ مجھ پر حرام رہے گا۔ اپنی جان کے معاملے میں مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس قدر شدت پسندی دیکھی تو ان کی بیٹی ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کیا، تب بھی ان کا جواب تھا: اے حفصہ، تو نے مال غنیمت سے حسب خواہش حظ اٹھانے کا مشورہ دے کر اپنی قوم کی خیر خواہی کی اور اپنے باپ کا برا چاہا۔ میرے مال و دولت میں تو تمھارا حق ہو سکتا ہے، میرے دین و ایمان میں نہیں۔

حضرت عمر اہل ایمان کے ساتھ اولاد کا سا برتاؤ کرتے۔ انھیں ہر دم خوش دیکھنا چاہتے، ان کے دکھوں کا اسی طرح مداوا کرتے، جیسے ایک باپ کرتا ہے۔ ایک رات وہ اپنے غلام اسلم کے ساتھ نواح مدینہ کے گشت پر تھے کہ ایک خیمے سے کسی عورت کے رونے کی آواز آئی۔ معلوم ہوا، وہ دردزہ میں مبتلا ہے اور اسے دایہ کا انتظام کرنے کی گنجایش نہیں۔ وہ فوراً گھر گئے اور اپنی اہلیہ حضرت ام کلثوم بنت علی کو لے آئے۔ آٹا اور گھی ان کی کمر پر لدا تھا، دایہ گیری کا ضروری سامان بھی پاس تھا۔ جب حضرت ام کلثوم پکاریں: اے امیر المومنین، صاحب خانہ کو بیٹے کی بشارت دے

دیکھیے تو انھیں خبر ہوئی کہ ان سے مواسات کرنے والا خود اپنے وقت کا بادشاہ ہے۔ ایک بار کسی بچے کے رونے کی آواز سنی تو اس کی ماں کو غفلت کرنے پر ڈانٹا، کچھ رات گزری تو ایک اور بچہ روتا ہوا پایا، آخری پہر ہوا تو بھی ایک بچے کا رونا رات کا سکون برباد کر رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچے کی ماں سے کہا: تو کیسی ماں ہے؟ تیرے بچے کو رات گزرنے پر بھی رونے سے قرار نہیں آیا۔ اس نے کہا: میں اسے دودھ کے بجائے روٹی دیتی ہوں اور یہ لیتا نہیں۔ انھوں نے پوچھا: یہ کیوں؟ اس نے بتایا: کیونکہ امیر المومنین صرف دودھ چھڑائے ہوئے بچے (weaned) کو وظیفہ دیتے ہیں۔ انھوں نے بچے کی عمر پوچھی اور ماں کو دودھ پلائی جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔ فجر کی نماز پڑھانے کے بعد وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں، فرمایا: عمر کوڑی کوڑی کو محتاج ہو جائے! اس نے مسلمانوں کے کتنے ہی بچے مار ڈالے۔ پھر مدینہ میں منادی کرا دی کہ اپنے بچوں کا دودھ جلدی جلدی نہ چھڑاؤ، ہم نے مسلمانوں کے ہر نومولود کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔ یہی حکم پوری مملکت اسلامیہ میں نافذ کر دیا گیا۔ انھی راتوں کا ذکر ہے جب حضرت عمر مدینہ کی گلیوں میں گشت کرتے تھے۔ ایک عورت جھوٹ موٹ کی ہنڈیا چڑھا کر روتے ہوئے بچوں کو بہلا رہی تھی۔ ان کو پتا چلا تو فوراً گئے، آٹا، گھی اور پکانے کا کچھ سامان لے آئے۔ غلام اسلم نے کہا: یہ سامان میں اٹھا لیتا ہوں۔ حضرت عمر نے کہا: تو کیا تو روز قیامت بھی میرا بوجھ اٹھائے گا؟ بچے پیٹ بھر کر سو گئے تو وہ لوٹے، ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے: بھوک ہی ہے جو بچوں کو سونے نہیں دیتی اور ان کو رلا مارتی ہے۔

اپنے پہلے خطبے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے لیے اس کمزور سے زیادہ قوی کوئی نہ ہوگا (جس کا حق مارا گیا ہو) تا آنکہ میں اس کا حق اسے دلا دوں۔ اسی طرح میں اس طاقت ور سے بڑھ کر کسی کو بودا نہ سمجھوں گا (جس نے کسی کا حق دبا لیا ہو) حتیٰ کہ میں اس سے دوسرے کا حق چھین نہ لوں۔ ایک بار کہا: لوگو، میں نے تم پر عمال اس لیے مقرر نہیں کیے کہ تمھیں ماریں پیٹیں، بے عزتی کریں یا تمھارے مال چھین لیں۔ ان کا فرض تمھیں کتاب وسنت کی تعلیم دینا ہے۔ جس کے ساتھ بھی زیادتی ہو مجھے خبر کرے، میں خود قصاص لوں گا۔ حضرت عمرو بن عاص نے پوچھا: تو کیا کوئی حاکم اپنے کسی شہری کی تادیب کرے گا تو اس سے بھی قصاص لیا جائے گا؟ حضرت عمر نے کہا: ہاں۔

سیدنا عمر امور مملکت ممکن حد تک خود بجا لانے کی کوشش کرتے۔ ایک بار حضرت علی نے ان کو مدینہ کے باہر دوڑتے ہوئے دیکھا تو پوچھا: امیر المومنین، آپ کہاں جا رہے ہیں؟ جواب دیا: صدقے کا ایک اونٹ بھاگ نکلا ہے، میں اسے ڈھونڈ رہا ہوں۔ حضرت علی نے کہا: آپ نے تو اپنے بعد آنے والے خلفا کو مشقت میں ڈال دیا ہے۔ ایک دفعہ وہ عبدالرحمان بن عوف کے گھر اس وقت پہنچے جب وہ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے پوچھا: اس

وقت کیا کام آن پڑا ہے؟ حضرت عمر نے بتایا: لوگوں کی ایک جماعت بازار کی ایک جانب سے شہر میں آئی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مدینہ کے چور انھیں نقصان نہ پہنچائیں۔ چلو ہم دونوں ان کی پہرے داری کرتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ مل کر شراب پی رہے ہیں۔ حضرت عمر نے ایک شخص کو پہچان لیا، اس وقت تو واپس ہو لیے، لیکن صبح کو اسے طلب کر لیا۔ جب اس نے کہا: آپ محض تجسس سے معلوم ہونے والے الزام کی بنیاد پر ہمارے خلاف کارروائی نہیں کر سکتے تو اسے چھوڑ دیا، حالانکہ وہ اس کی بادہ خواری کے خود گواہ تھے۔ رعایا کے حالات خود معلوم کرنے کی شدید حرص آخری عمر میں ان کی تمنا بن گئی کہ مملکت اسلامیہ کے تمام اطراف میں گھوم پھر کر عامۃ الناس اور عمال کے احوال جانچیں۔ چنانچہ فتح مصر کے بعد فرمایا: اگر اللہ نے مجھے زندگی دی تو ایک کامل برس اپنی رعیت میں گھوم کر گزاروں گا۔ لوگوں کی کئی ضرورتیں میری وجہ سے رہ جاتی ہیں، عمال مجھ تک نہیں پہنچاتے اور ضرورت مند میرے پاس آ نہیں پاتے۔ میں ۲ ماہ شام میں رہوں، ۲ ماہ الجزیرہ میں، ۲ ماہ مصر میں، ۲ ماہ بحرین میں، ۲ ماہ کوفہ میں اور ۲ ماہ بصرہ میں گزاروں، بخدا! یہ سال کتنا ہی خوب صورت ہوگا؟ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ، برا ہو اجل کا، ان کی یہ تمنا بر آنے کا موقع ہی نہ آیا۔

عدل فاروقی ضرب المثل مانا جاتا ہے، اس لیے کہ حضرت عمر میں حد درجہ خشیت الٰہی پائی جاتی تھی۔ انھیں ہر لمحہ اپنے حساب اور اپنی پکڑ کا ڈر رہتا تھا اور اسی محاسبۂ نفس سے انصاف کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ جب ان کے پاس کوئی مقدمہ آتا تو گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر دعا مانگتے: اے اللہ، میری مدد فرما، یہ دونوں فریق مجھے دین سے پھسلانا چاہتے ہیں۔ حضرت عمر کے بیٹے حضرت عبدالرحمان مصر میں تھے۔ ابو سروعہ اور انھوں نے مل کر شراب پی اور انھیں خمار چڑھ گیا۔ گورنر حضرت عمرو بن عاص نے اپنے گھر ہی میں کوڑے لگوائے اور ان کا سر منڈوا کر چھوڑ دیا۔ حضرت عمر کو خبر ہوئی تو تادیب کا خط لکھا: ابن عاص، تو نے عہد امارت کی خلاف ورزی کی ہے۔ مجھے تم کو معزول ہی کرنا ہوگا۔ عبدالرحمان تیری رعایا کا ایک فرد ہے، تمھیں اس کے ساتھ دوسرے مسلمانوں کا سا سلوک کرنا چاہیے تھا۔ یہ خط ملتے ہی اسے اونٹ پر لاد کر میرے پاس بھیج دو۔ وہ مدینہ پہنچے تو تکلیف دہ سفر کی وجہ سے چل بھی نہ سکتے تھے۔ عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین، اس پر حد نافذ ہو چکی ہے، انھوں نے ایک نہ مانی اور بار دگر کوڑے لگوا دیے۔ عبدالرحمان تھکے ہوئے تھے، بیمار پڑے اور اسی مرض سے وفات پائی۔

حضرت عمر انصاف کرتے ہوئے امیر و غریب، والی و رعیت میں کوئی فرق نہ کرتے۔ شاہ غسان جبلہ بن ایہم اسلام قبول کرنے کے بعد عمرہ کرنے گیا۔ طواف کے دوران میں بنوفزار کے ایک شخص نے اس کے پاجامے پر پاؤں

رکھ دیا تو اس نے اس کی ناک کاٹ ڈالی۔ حضرت عمر نے کہا: اسے راضی کرو یا قصاص دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ وہ ڈر کر شام کو بھاگ گیا اور دوبارہ عیسائی ہو گیا۔ حضرت عمرو بن عاص کے بیٹے محمد نے ایک مصری کو کوڑا مار دیا اور کہا: میں معززین کی اولاد ہوں۔ حضرت عمرو نے اسے اس ڈر سے کہ خلیفہ کو شکایت نہ کر دے، جیل میں ڈال دیا۔ جب وہ چھوٹا تو مدینہ پہنچ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نالش کر دی۔ انھوں نے فوراً باپ بیٹے کو مصر سے بلایا اور مجلس قصاص میں کھڑا کر دیا پھر مصری کو درہ پکڑایا اور فرمایا: اس سے عزت داروں کی اولاد کی پٹائی کر۔ وہ محمد کو پیٹتا جاتا اور حضرت عمر کہتے جاتے: مارو معززین کے بیٹے کو۔ اس نے کوڑا حضرت عمر کو واپس دینا چاہا تو کہا: اب اسے عمرو کی گنجی چندیا پر چلاؤ، اسی کی سلطانی کی وجہ سے اس کے بیٹے نے تمھیں زدوکوب کیا تھا۔ حضرت عمرو نے استدعا کی: امیر المومنین، آپ نے بدلہ لے لیا ہے اور جی ٹھنڈا کر لیا ہے۔ مصری نے بھی کہا: جس نے مجھے مارا تھا میں نے اسے پیٹ لیا ہے تو معاملہ رفع ہوا۔ حضرت عمر کا غصہ ابھی فرو نہ ہوا تھا، حضرت عمرو کی طرف پلٹے اور کہا: او عمرو، لوگوں کی ماؤں نے انھیں آزاد جنا ہے، تم نے انھیں کب سے غلام بنانا شروع کر دیا ہے؟ عدل و انصاف سیدنا عمر کی فطرت کا حصہ تھے۔ فرماتے تھے: لوگ تب تک سیدھا چلتے ہیں جب تک ان کے لیڈر اور ائمہ سیدھا چلتے ہیں۔ وہ اپنے عمال کو بھی جادۂ انصاف پر چلانا چاہتے تھے، اسی لیے ان سے سخت باز پرس کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا: میرے عامل نے کسی پر ظلم کیا، مظلوم کی فریاد مجھ تک پہنچی اور میں نے اس کی دادرسی نہ کی تو میں خود ظالم بن جاؤں گا۔

مطالعۂ مزید: تاریخ الامم والملوک (طبری)، الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)، البدایہ والنہایہ (ابن کثیر)، الفاروق عمر (محمد حسین ہیکل)، اخبار الحکماء (اختصار الزوزنی من اخبار العلما باخبار الحکما، للقفطی)۔

The Arab Conquest of Egypt and the last thirty years of Roman dominian (Alfred J Butler)

[باقی]

جاوید احمد غامدی

اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ میں نے اِس دین کو جس طرح سمجھا ہے، اپنی کتاب ''میزان'' میں بیان کر دیا ہے۔ یہ اِسی کتاب کے ایک باب کا خلاصہ ہے جس میں نفس مضمون اُس کے علمی مباحث اور اُن کے استدلالات سے الگ کر کے سادہ طریقے پر پیش کر دیا گیا ہے۔

—— جاوید

قانون جہاد

امن اور آزادی انسانی تمدن کی ناگزیر ضرورت ہے۔ فرد کی سرکشی سے اُس کی حفاظت کے لیے تادیب اور سزائیں ہیں، لیکن اگر قومیں شوریدہ سر ہو جائیں تو ہر شخص جانتا ہے کہ اُن کے خلاف تلوار اٹھانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ نصیحت اور تلقین جب تک کارگر ہو، تلوار اٹھانے کو کوئی شخص بھی جائز قرار نہ دے گا، مگر جب کسی قوم کی سرکشی اور شوریدہ سری اِس حد کو پہنچ جائے کہ اُسے نصیحت اور تلقین سے صحیح راستے پر لانا ممکن نہ رہے تو انسان کا حق ہے کہ اُس کے خلاف تلوار اٹھائے اور اُس وقت تک اٹھائے رکھے، جب تک امن اور آزادی کی فضا دنیا میں بحال نہ ہو جائے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ تلوار اٹھانے کی یہ اجازت اگر نہ دی جاتی تو قوموں کی سرکشی اِس انتہا کو پہنچ جاتی کہ تمدن کی بربادی کا تو کیا ذکر، معبد تک ویران کر دیے جاتے اور اُن جگہوں پر خاک اڑتی، جہاں اب شب و روز اللہ پروردگار عالم کا نام لیا جاتا اور اُس کی عبادت کی جاتی ہے۔

اسلامی شریعت میں جہاد* اِسی مصلحت سے کیا جاتا ہے۔ یہ نہ خواہش نفس کے لیے ہے، نہ مال و دولت کے لیے، نہ ملک کی تسخیر اور زمین کی حکومت کے لیے، نہ شہرت و ناموری کے لیے اور نہ حمیت و حمایت اور عصبیت یا عداوت

* جہاد کے معنی کسی جدوجہد میں پوری قوت صرف کر دینے کے ہیں۔ قرآن میں یہ تعبیر جس طرح اللہ کی راہ میں عام جدوجہد کے لیے استعمال ہوئی ہے، اِسی طرح قتال فی سبیل اللہ کے لیے بھی آئی ہے۔ یہاں اِس کا یہی دوسرا مفہوم پیش نظر ہے۔

کے کسی جذبے کی تسکین کے لیے۔ انسان کی خود غرضی اور نفسانیت کا اِس جہاد و قتال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ اللہ کی جنگ ہے جو اُس کے بندے، اُس کے حکم پر اور اُس کی ہدایت کے مطابق اُس کی راہ میں لڑتے ہیں۔ اُن کی حیثیت اِس جنگ میں محض آلات و جوارح کی ہے۔ اِس میں اُنھیں اپنا کوئی مقصد نہیں، بلکہ خدا کے مقاصد پورے کرنا ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی اِس حیثیت سے سرمو کوئی انحراف نہیں کر سکتے۔

اِس کا قانون یہ ہے:

۱۔ جہاد کا حکم

جہاد و قتال کا حکم مسلمانوں کو بحیثیت جماعت دیا گیا ہے۔ اِس کی جو آیتیں بھی قرآن میں آئی ہیں، مسلمان اپنی انفرادی حیثیت میں اُن کے مخاطب ہی نہیں ہیں۔ حدود و تعزیرات کی طرح اِن آیات کے مخاطب وہ بحیثیت جماعت ہیں۔ لہٰذا اِس معاملے میں کسی اقدام کا حق بھی اُن کے نظم اجتماعی کو حاصل ہے۔ اُن کے اندر کا کوئی فرد یا گروہ ہرگز یہ حق نہیں رکھتا کہ اُن کی طرف سے اِس طرح کے کسی اقدام کا فیصلہ کرے۔

۲۔ جہاد کا مقصد

قرآن میں اِس کا حکم اصلاً فتنہ کے استیصال کے لیے آیا ہے۔ اِس کے معنی کسی شخص کو ظلم و جبر کے ساتھ اُس کے مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش کے ہیں۔ یہی چیز ہے جسے انگریزی زبان میں 'persecution' کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جان و مال اور عقل و راے کے خلاف زیادتی کی دوسری تمام صورتیں اِسی کے تحت ہیں۔ چنانچہ ظلم و عدوان جس صورت میں بھی ہو، یہ اُس کے خلاف کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ جہاد کی فرضیت

جہاد مسلمانوں پر اُس وقت تک فرض نہیں ہوتا، جب تک دشمن کے مقابلے میں اُن کی حربی قوت ایک خاص حد تک نہ پہنچ جائے، لہٰذا ضروری ہے کہ جہاد و قتال کی اِس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے وہ نہ صرف یہ کہ اپنے اخلاقی وجود کو محکم رکھنے کی کوشش کریں، بلکہ اپنی حربی قوت بھی اُس درجے تک لازماً بڑھائیں جس کا حکم قرآن نے زمانۂ رسالت کے مسلمانوں کو اُس وقت کی صورت حال کے لحاظ سے دیا تھا اور اُن کے اور اُن کے دشمنوں کے درمیان اِس کے لیے ایک اور دو کی نسبت قائم کر دی تھی۔

۴۔ جہاد میں شرکت

جہاد میں عملاً حصہ نہ لینا صرف اُس صورت میں جرم ہے، جب کوئی مسلمان نفیر عام کے باوجود گھر میں بیٹھا

رہے۔ اُس وقت یہ بے شک، نفاق جیسا بڑا جرم بن جاتا ہے۔ یہ صورت نہ ہو تو جہاد ایک فضیلت ہے جس کے حصول کا جذبہ ہر شخص میں ہونا چاہیے۔ لیکن اِس کی حیثیت ایک درجۂ فضیلت ہی کی ہے، یہ اُن فرائض میں سے نہیں ہے جنھیں پورا نہ کیا جائے تو آدمی مجرم قرار پائے۔

۵۔ جہاد سے فرار

جہاد و قتال کے لیے میدان میں اترنے کے بعد بزدلی اور فرار کی نوعیت کا پیٹھ دکھانا حرام ہے۔ کسی صاحب ایمان کو ہر گز اِس کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت پر بے اعتمادی، دنیا کی آخرت پر ترجیح اور موت و حیات کو اپنی تدبیر پر منحصر قرار دینے کا جرم ہے جس کی ایمان کے ساتھ کوئی گنجایش نہیں مانی جاسکتی۔

۶۔ اخلاقی حدود

جہاد اخلاقی حدود سے بے پروا ہو کر نہیں کیا جاسکتا۔ اخلاقیات ہر حال میں اور ہر چیز پر مقدم ہیں اور جنگ و جدال کے موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے اِن سے انحراف کی اجازت کسی شخص کو نہیں دی۔ اِس حکم کے ذیل میں جو سب سے اہم ہدایت قرآن میں بیان ہوئی ہے، وہ عہد کی پابندی کی ہے۔ غدر اور نقض عہد کو اللہ تعالیٰ نے بدترین گناہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ کوئی معاہد قوم اگر مسلمانوں پر ظلم بھی کر رہی ہو تو معاہدے کی خلاف ورزی کر کے اُن کی مدد نہیں کی جاسکتی۔ اِسی طرح جو لوگ جنگ کے موقع پر کسی وجہ سے غیر جانب دار رہنا چاہتے ہوں، اُن کے خلاف بھی کسی اقدام کی اجازت نہیں ہے۔

جہاد کے لیے نکلتے وقت تکبر اور نمایش کا رویہ بھی اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ طنطنہ اور طمطراق کسی بندۂ مومن کے شایان شان نہیں ہے۔ رزم ہو یا بزم، خدا کے بندوں پر عبدیت کی تواضع اور فروتنی ہر حال میں نمایاں رہنی چاہیے۔

۷۔ نصرت الٰہی

مسلمان یہ جنگ اللہ کے بھروسے پر لڑتے ہیں، لیکن قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ اِس میں اللہ کی مدد حاصل کرنے کے لیے سب سے بنیادی چیز صبر و ثبات ہے۔ مسلمانوں کی کسی جماعت کے لیے نصرت الٰہی کا استحقاق اُس وقت تک پیدا نہیں ہوتا، جب تک وہ یہ صفت اپنے اندر پیدا نہ کر لے۔

۸۔ اسیران جنگ

جنگ کے قیدیوں کو مسلمان چھوڑ بھی سکتے ہیں اور اُن سے فدیہ بھی لے سکتے ہیں، مگر اُنھیں قتل کرنے یا لونڈی غلام

بنا کر رکھ لینے کی گنجایش قرآن مجید نے ہمیشہ کے لیے ختم کر دی ہے۔

۹۔ اموال غنیمت

اموال غنیمت اصلاً اجتماعی مقاصد کے لیے خاص ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجاہدین کا کوئی ابدی حق اُن میں قائم نہیں کیا گیا کہ مسلمانوں کی حکومت اُسے ہر حال میں ادا کرنے کی پابند ہو۔ وہ اپنے حالات اور اپنی تمدنی ضرورتوں کے لحاظ سے جو طریقہ چاہے، اِس معاملے میں اختیار کر سکتی ہے۔

محمد رفیع مفتی

متفرق سوالات

[المورد میں خطوط اور ای میل کے ذریعے سے دینی موضوعات پر سوالات موصول ہوتے ہیں۔ المورد کے شعبۂ علم و تحقیق اور شعبۂ تعلیم و تربیت کے رفقا ان سوالوں کے جواب دیتے ہیں۔ یہاں ان میں سے منتخب سوال و جواب کو افادۂ عام کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔]

وقوع طلاق کے بارے میں اختلاف

سوال: میں نے اپنی بیوی کو غصے میں دی ہوئی تین طلاقوں کے بارے میں علما سے فتویٰ طلب کیا تھا۔ انھوں نے مجھے یہ فتویٰ دیا کہ آپ اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں دے چکے ہیں۔ لہٰذا اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ حلالۂ شرعی کو اختیار کیا جائے۔

ازراہ مہربانی اس فتوے کے بارے میں اپنی رائے دیں؟ (سید ذوالفقار حسین گیلانی)

جواب: آپ نے اپنے طلاق کے معاملے میں جو فتویٰ حاصل کیا ہے، وہ احناف کے نقطۂ نظر کے مطابق ہے۔ چنانچہ اس کے مطابق آپ کی بیان کردہ صورت میں تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں اور آپ کی بیوی ہمیشہ کے لیے آپ پر حرام ہو چکی ہے حتیٰ کہ حلالۂ شرعی کے بعد وہ آپ سے دوبارہ نکاح کر لے۔

علماے احناف طلاق کے صریح الفاظ بولے جانے کی صورت میں آدمی کی نیت کو کوئی حیثیت نہیں دیتے۔ بہرحال، یہ ان کا نقطۂ نظر ہے۔

استاذ محترم غامدی صاحب غصے سے مغلوب ہو کر دی گئی طلاق کو طلاق شمار نہیں کرتے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِیُ غِلَاقٍ. (ابوداؤد، رقم ۲۱۹۳)

''غصے سے مغلوب ہو کر دی ہوئی طلاق موثر ہوتی ہے اور نہ غلام کی آزادی کا فیصلہ۔''

نیز ان کے خیال میں طلاق کا لفظ بولتے وقت آدمی کی نیت طلاق کی تھی بھی یا نہیں یا یہ کہ وہ طلاق کے بارے میں کیا معلومات رکھتا ہے، یہ سب باتیں ان کے نزدیک طلاق کے کسی مقدمے میں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔

بہر حال، علما کے درمیان آرا کا یہ اختلاف موجود ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف فتویٰ بے معنی چیز ہے۔ امید ہے یہ آپ کا مقصود بھی نہیں ہو گا۔

موجودہ صورت حال میں یہ فیصلہ آپ ہی کے ذمے ہے کہ آپ کو کس فقیہ کی راے کے مطابق عمل کرنا ہے۔ اگر آپ غامدی صاحب کی راے کے مطابق فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو پھر یہ دیکھ لیجیے کہ طلاق دینے والا، طلاق دیتے وقت کیا واقعۃً غصے سے مغلوب تھا، اگر آپ اطمینان سے یہ بات کہہ سکتے ہیں تو پھر آپ اس کے مطابق عمل کریں، ورنہ نہیں۔

غصے میں دی گئی طلاق ثلاثہ

سوال: میں نے اپنی بیوی کو شدید غصے کی حالت میں تین طلاقیں دے دی ہیں۔ اب میں بہت پریشان ہوں کہ میں کیا کروں؟ از راہ مہربانی آپ اس کے بارے میں اپنی راے دیں؟ (محمد عمیر فیاض)

جواب: استاذ محترم جاوید احمد صاحب غامدی کے نزدیک غصہ سے مغلوب ہو کر دی گئی طلاق واقع ہی نہیں ہوتی، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِیُ غِلَاقٍ. (ابوداؤد، رقم ۲۱۹۳)

''غصے سے مغلوب ہو کر دی ہوئی طلاق موثر ہوتی ہے اور نہ غلام کی آزادی کا فیصلہ۔''

''فاقتلوا انفسکم'' کا صحیح مفہوم

سوال: سورۂ بقرہ (۲: ۵۴) میں بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ 'فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ' (اپنے نفسوں کو قتل کرو) اس حکم کا کیا مطلب ہے؟

۱۔ کیا اس سے خود کشی مراد ہے؟

۲۔ ایک دوسرے کو قتل کرنا مراد ہے؟

۳۔ نفس امارہ کو قتل کرنا، یعنی مجاہدۂ نفس کرنا مراد ہے؟

حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس حکم کے بعد اسی سورہ کی دوسری آیت میں بنی اسرائیل پر یہ تنقید کی جا رہی ہے کہ 'ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْکُمْ' ''پھر یہ تمھی لوگ ہو جو اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کی بستیوں سے نکالتے ہو'' (۲: ۸۵)، اس تضاد کی کیا وضاحت ہے؟

(قاری محمد اسحاق)

جواب: 'فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ' کی آیت ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کے گوسالہ پرستی کے جرم سے متعلق ہے۔ چنانچہ پہلی بات یہ ہے کہ بچھڑے کی پرستش بنی اسرائیل کے سارے لوگوں نے نہیں کی تھی، بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے یہ مشرکانہ اقدام کیا تھا، جیسا کہ درج ذیل دو آیات سے پتا چلتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ. (الاعراف ۷: ۱۵۲)

''بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ہے، انھیں عنقریب ان کے رب کی طرف سے غضب لاحق ہو گا۔''

اَتُهْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا. (الاعراف ۷: ۱۵۵)

''(موسیٰ نے کہا) کیا تو ہمیں ایسے جرم کی پاداش میں ہلاک کر دے گا جس کا ارتکاب ہمارے اندر کے بے وقوفوں نے کیا ہے۔''

دوسری بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے متعلق زیر بحث آیت کا پورا مضمون درج ذیل ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ذٰلِکُمْ خَيْرٌ لَّکُمْ عِنْدَ بَارِئِکُمْ فَتَابَ عَلَيْکُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. (البقرہ ۲: ۵۴)

’’اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم کے لوگو، تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو اور خود اپنے (مجرموں) کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرو، یہ تمھارے لیے تمھارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بہتر ہے پھر وہ تمھاری طرف متوجہ ہوا۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔‘‘

اگر قرآن مجید کی اس بات کو ہم ملحوظ رکھیں کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے بچھڑے کی پرستش کا جرم کیا تھا تو پھر اس درج بالا آیت کا مطلب ہی یہ بنتا ہے کہ اے بنی اسرائیل، تم خود اپنے مجرموں کو قتل کرو۔

اور پھر مزید یہ بات بھی ہے کہ اگر ہم ’فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ‘ میں ’اَنْفُسَکُمْ‘ سے ’’اپنے مجرموں کو‘‘ کے بجائے ’’تم سب اپنے آپ کو‘‘ مراد لیں تو پھر اس سزا میں نیک و بد اور صالح و مجرم، دونوں شامل ہو جاتے ہیں جو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔

قرآن میں اہل کتاب کی تحسین کی وجہ

سوال: سورۂ آل عمران میں اہل کتاب کے بعض افراد کے بارے میں تحسین اور تعریف کے کچھ کلمات ہیں اور ان کے ایمان دار ہونے کا ذکر موجود ہے، مثلاً ’یَتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ‘، ’یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ‘ اور ’اُولٰٓئِکَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ‘۔ کیا قرآن مجید کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہ لانے کے باوجود صالح اور مومن ہی قرار دیے جا رہے ہیں؟

کیا ان کا یہ مومن اور صالح ہونا صرف عنداللہ ہے، یعنی آخرت کے حوالے سے ہے یا پھر دنیوی قانون کے لحاظ سے بھی وہ مومن اور صالح ہی متصور ہوں گے؟

اگر وہ دنیوی پہلو سے بھی مومن ہی ہوں گے تو پھر کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اس کے اخلاقی حدود و قیود کو مانتا ہے اور اللہ کے پیغمبروں میں سے کسی ایک کو بھی مانتا ہے تو وہ شخص مومن ہو گا، جیسا کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی درج ذیل آیات سے یہ بات ثابت بھی ہوتی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ. (۲:۶۲)

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ. (۳:۶۴) (قاری محمد اسحاق)

جواب: اہل کتاب کے بارے میں تحسین اور تعریف کے جن کلمات کا آپ نے ذکر کیا ہے، انھیں ان کے سیاق و سباق کے ساتھ دیکھیے تو وہ اشکال رفع ہو جاتا ہے جو آپ نے بیان کیا ہے۔ یہ آیات درج ذیل ہیں:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ.

لَيْسُوْا سَوَآءً، مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ، يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ، وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ. (آل عمران ۳: ۱۱۲-۱۱۵)

''اور ان (یہود) پر پست ہمتی تھوپ دی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی آیتوں کا انکار اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں، کیونکہ یہ نافرمان اور حد سے آگے بڑھنے والے رہے ہیں۔

سب اہل کتاب یکساں نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ عہد پر قائم ہے۔ یہ رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے اور سجدہ کرتے ہیں، اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، معروف کا حکم دیتے، منکر سے روکتے اور بھلائی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں اور یہ لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔ جو نیکی بھی یہ کریں گے تو اس سے محروم نہیں کیے جائیں گے اور اللہ خدا ترسوں سے باخبر ہے۔''

ان آیات میں جن صالح اہل کتاب کا ذکر ہے، ظاہر ہے وہ لوگ انھی آیات میں بیان کردہ غیر صالح اہل کتاب کے بالکل برعکس ہیں، یعنی نہ یہ لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرنے والے تھے اور نہ یہ اس کے نبیوں کی تکذیب کرنے والے تھے۔ چنانچہ مفسرین نے یہ بات واضح کی ہے کہ ان صالح اہل کتاب میں سے بعض نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر علانیہ ایمان لا چکے تھے اور بعض دل سے ایمان لا چکے تھے، لیکن ابھی انھوں نے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔

اور ایسا کیوں نہ ہوتا، کیونکہ ان کی اپنی کتابوں کے مطابق یہ لازم تھا کہ وہ اس نبی امی پر ایمان لائیں جسے وہ اپنی کتاب میں لکھا ہوا پاتے تھے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ

بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ، اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ. (الاعراف ۷: ۱۵۶-۱۵۷)

''اور میری رحمت ہر چیز کو عام ہے، سو میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ رکھوں گا جو تقویٰ اختیار کریں گے اور زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور جو ہماری آیات پر ایمان لائیں گے۔ جو پیروی کریں گے، اس نبی امی رسول کی جسے وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

چنانچہ قرآن مجید نے جن اہل کتاب کی تعریف کی ہے اور جو واقعی صالحین تھے، وہ اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔

اور پھر وہ ایمان کیوں نہ لاتے، جبکہ سورۂ مائدہ میں انھیں یہ بتا دیا گیا تھا کہ اس نبی پر ایمان لائے بغیر چارہ نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ. (۵: ۶۸)

''کہہ دو اے اہل کتاب، تمھاری کوئی بنیاد نہیں ہے جب تک تم تورات، انجیل اور اس چیز کو قائم نہ کرو جو تمھاری طرف تمھارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے، لیکن وہ چیز جو تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے، وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور ان کے کفر میں اضافہ کرے گی تو تم اس کافر قوم پر غم نہ کرو۔''

اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اہل کتاب کے لیے اپنی کتابوں کو ماننا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی لائی ہوئی کتاب پر ایمان لانا ضروری تھا۔

چنانچہ یہ خیال تو باطل محض ہے کہ اہل کتاب کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں تھا۔

رہا سورۂ بقرہ (۲) کی آیت ۶۲ کا معاملہ تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ یہود و نصاریٰ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں تھا یا آج نہیں ہے، کیونکہ یہ مفہوم تو بنی اسرائیل کے بارے میں قرآن کی اس ساری دعوت کے خلاف ہو گا جس سے متعلق بعض آیات کا ابھی ہم نے مطالعہ کیا ہے۔

سورۂ بقرہ کی اس آیت کا صحیح مفہوم جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اسے اس کے سیاق و سباق کے ساتھ دیکھا جائے۔

استاذ محترم غامدی صاحب نے ان آیات کا ترجمہ و تفسیر، اپنی تفسیر ''البیان'' میں درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَضُرِبَتُ عَلَيُهِمُ الذِّلَّةُ وَالُمَسُكَنَةُ وَبَآءُ وُ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ كَانُوُا يَكُفُرُوُنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقُتُلُوُنَ النَّبِيّنَ بِغَيُرِ الُحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوُا وَّكَانُوُا يَعُتَدُوُنَ. اِنَّ الَّذِيُنَ اٰمَنُوُا وَالَّذِيُنَ هَادُوُا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيُنَ مَنُ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالُيَوُمِ الُاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمُ اَجُرُهُمُ عِنُدَ رَبِّهِمُ وَلَا خَوُفٌ عَلَيُهِمُ وَلَا هُمُ يَحُزَنُوُنَ. (البقرہ۲:۶۱-۶۲)

''(وہ یہی کرتے رہے) اور اُن پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کا غضب کما لائے۔ یہ اِس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے تھے اور اُس کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اِس وجہ سے ہوا کہ اُنھوں نے نافرمانی کی اور وہ اللہ کی ٹھیرائی ہوئی کسی حد پر نہ رہتے تھے۔

(اِس سے واضح ہے کہ جزا و سزا کا قانون بالکل بے لاگ ہے۔ لہٰذا) وہ لوگ جو (نبی امی پر) ایمان لائے ہیں اور جو (ان سے پہلے) یہودی ہوئے اور جو نصاریٰ اور صابی کہلاتے ہیں، اُن میں سے جن لوگوں نے بھی اللہ کو مانا ہے اور قیامت کے دن کو مانا ہے اور نیک عمل کیے ہیں، ان کا صلہ (ان کے) پروردگار کے پاس ہے اور (اُس کے حضور میں) اُن کے لیے کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ وہ کوئی غم (وہاں) کھائیں گے۔''

آیات کی شرح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''یعنی یہ ذلت اور مسکنت اس لیے ان پر تھوپی گئی کہ انھوں نے پے در پے جرائم کا ارتکاب کیا اور اپنی سرکشی اور تعدی کے باعث ہر حد توڑ دی، یہاں تک کہ اللہ کے نبیوں تک کو قتل کر ڈالا۔...قرآن نے واضح کر دیا کہ ان کے انبیا کی اولاد ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان جرائم کے بعد انھیں چھوڑ نہیں دیا، بلکہ ان کی پاداش میں انھیں پکڑا اور اسی دنیا میں ان کے جرائم کی سزا اُنھیں دی۔

...اس (سلسلہ آیات) میں قرآن نے نہایت غیر مبہم طریقے پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی شخص کو فلاح محض اس بنیاد پر حاصل نہ ہوگی کہ وہ یہود و نصاریٰ میں سے ہے یا مسلمانوں کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے یا صابی ہے، بلکہ اس بنیاد پر حاصل ہوگی کہ وہ اللہ کو اور قیامت کے دن کو فی الواقع مانتا رہا ہے اور اس نے نیک عمل کیے ہیں۔ ہر مذہب کے لوگوں کو اسی کسوٹی پر پرکھا جائے گا، اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہ ہوگا۔ یہود کا یہ زعم محض زعم باطل ہے کہ وہ یہودی ہونے ہی کو نجات کی سند سمجھ رہے ہیں۔ یہ بات ہوتی تو اللہ دنیا میں بھی ان کے جرائم پر ان کا مواخذہ نہ کرتا، لہٰذا وہ ہوں یا مسلمان یا کسی اور مذہب و ملت کے پیرو، ان میں سے کوئی بھی محض پیغمبروں کو ماننے والے کسی خاص گروہ میں شامل ہو جانے سے جنت کا مستحق نہیں ہو جاتا، بلکہ اللہ اور آخرت پر حقیقی ایمان اور عمل صالح ہی اس کے لیے نجات کا باعث بنتا ہے۔

...(ان آیات میں نجات کی) یہ بشارت، ظاہر ہے کہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ آدمی نے کسی ایسے جرم کا ارتکاب نہ کیا ہو جو ایمان اور عمل صالح کے باوجود اسے جہنم کا مستحق بنا دیتا ہے، مثلاً: کسی بے گناہ کو قتل کر دینا یا جانتے بوجھتے اللہ کے کسی سچے پیغمبر کو جھٹلا دینا۔''

چنانچہ سورۂ بقرہ (۲) کی آیت ۶۲ میں کسی بھی شخص کے لیے نبوت کو جانتے بوجھتے نہ ماننے کی کوئی اجازت نہیں ہے، بلکہ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ نجات کے لیے کسی پیغمبر کا پیروکار کہلانا ہی کافی نہیں، اس کے ساتھ اللہ اور آخرت پر حقیقی ایمان لانا اور نیک اعمال کرنا بھی ضروری ہے۔

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس میں اللہ نے یہ بتایا ہے کہ کسی نہ کسی پیغمبر کو مان لو، خواہ باقی پیغمبروں کی جان بوجھ کر تکذیب کر دو یا ان سے بے اعتنائی برت لو اور ان کی دعوت قبول نہ کرو، تمھاری بخشش بہر حال، ہو جائے گی۔

اسی طرح سورۂ آل عمران کی درج ذیل آیت سے بھی یہ مراد نہیں کہ اہل کتاب صرف توحید میں مسلمانوں سے اشتراک کر لیں تو وہ کافی ہوگا، بلکہ اس آیت میں تو اس مشترک بنیاد کی طرف دعوت دی گئی ہے جس پر اگر وہ کھڑے ہو جاتے ہیں تو اب آگے ان کو نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ. (۳:۶۴)

''کہہ دو اے اہل کتاب، اس چیز کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں مشترک ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب ٹھہرائے۔ اگر وہ اس چیز سے اعراض کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلم ہیں۔''

مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ اس آیت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''...توحید کے متعلق قرآن مجید کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان یکساں مشترک و مسلم ہے۔ قرآن نے اسی مشترک کلمہ کو بنیاد قرار دے کر ان سے بحث کا آغاز کیا ہے کہ جب توحید ہمارے اور تمھارے درمیان ایک مشترک حقیقت ہے تو موازنہ کرو کہ اس قدر مشترک کے معیار پر قرآن اور اسلام پورے اترتے ہیں یا یہودیت اور نصرانیت؟

بحث کا یہ طریقہ قرآن کے اس قرار دادہ طریقے کے بالکل مطابق ہے جس کی اس نے آیت 'اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ' (اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ

سے دعوت دو) میں تلقین فرمائی ہے۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۱۱۲)

نماز میں طہارت کا قائم نہ رہنا

سوال: بواسیر کی بیماری کی وجہ سے کپڑے خراب ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ نماز پڑھنے کے بارے میں بتائیے کہ وہ کیسے پڑھی جائے؟ (محمد عامر شہزاد)

جواب: ہر نماز کے موقع پر استنجا کریں، کپڑے کے ناپاک حصے دھولیں، وضو کریں اور نماز پڑھیں۔ دوران نماز بیماری کی وجہ سے اگر کچھ خرابی ہو تو اس کی پروا نہ کریں اور نماز مکمل کریں۔

اسلام میں موسیقی

سوال: کیا اسلام میں موسیقی حرام ہے؟ (عبدالرحمٰن میمن)

جواب: اسلام میں موسیقی حرام نہیں ہے، البتہ اگر موسیقی کے ساتھ کچھ حرام چیزیں (شراب و کباب اور فحش رقص و سرود وغیرہ) شامل ہو جائیں تو پھر وہ حرام ہو گی۔ اسی طرح اگر موسیقی کی دھن ہی ایسی ہے کہ وہ انسان کے اندر سفلی جذبات پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے تو ایسی موسیقی بھی اپنی دھن کی شناعت کے درجے کے مطابق مکروہ یا حرام ہو گی۔

اگر معاملہ یہ ہے کہ نہ موسیقی کی دھن وغیرہ میں کوئی خرابی ہے اور نہ اس کے ساتھ کسی حرام چیز ہی کی آمیزش ہے تو پھر اس صورت میں موسیقی جائز ہو گی، لیکن اس جائز موسیقی کا بھی ایک مسئلہ ہے اور وہ یہ کہ اس میں زیادہ اشتغال انسان کے تزکیے کے عمل کو خراب کرتا اور اسے خدا سے غافل کرتا ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ موسیقی میں اشتغال کو اشتغال بالادنیٰ (کم تر درجے کی چیز میں مشغول ہونا) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

چنانچہ موسیقی جائز تو ہے، لیکن اس درج بالا ساری بات کے مطابق ہی موسیقی کے جواز کا مفہوم طے کرنا چاہیے۔

سود کی رقم غربا میں تقسیم کرنا

سوال: اگر ہم بنک میں رقم جمع کرائیں اور اس پر ملنے والے سود کو غربا میں تقسیم کر دیں تو کیا یہ صحیح اور جائز ہوگا؟ (صبیحہ خان)

جواب: بنک میں جمع شدہ رقم پر ملنے والے سارے سود کو بغیر ثواب کی نیت سے، اگر آپ غربا میں تقسیم کر دیں تو یہ درست اور جائز ہے۔

حج میں محرم کی شرط

سوال: کیا میں اپنے تیرہ سالہ بیٹے کے ساتھ حج پر جا سکتی ہوں، یعنی اس کے ساتھ ہونے سے کیا میرے لیے محرم کی شرط پوری ہو جاتی ہے؟ (صبیحہ خان)

جواب: استاذ محترم غامدی صاحب کے نزدیک اس زمانے میں چونکہ عورت کے لیے سفر محفوظ ہو گیا ہے۔ لہٰذا غیر محفوظ سفروں کے زمانے میں محرم کے ساتھ ہونے کی جو ہدایت دی گئی تھی، ان حالات میں اب اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

محرم کی شرط کے ضمن میں ائمۂ اربعہ میں بھی اختلاف موجود تھا۔ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اگر عورت کو محفوظ رفاقت میسر آ جائے تو وہ حج کے لیے جا سکتی ہے، اس کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری نہیں ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ محرم کے وجود کو لازم قرار دیتے ہیں۔
